اے لوگو کہ ہمیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ بابت ماہ اپریل ۱۹۰۸ء نمبر ۴

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اپریل ۱۹۰۸ء کو مینیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا چندہ سالانہ عہ

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

غالباً ۲۵- مارچ ۱۹۰۸ء (۱) امثال الرحمۃ فی اول الذکر و اخر الذکر- ترجمہ- رحمت کی مثالیں- پہلے ذکر والا اور آخر ذکر والا- (۲) حٰم تلک اٰیات الکتب المبین- ترجمہ- کھول کر بیان کرنے والی کتاب کے یہ نشان ہیں- (۳) لاتذر دہ جاریہ- (۴) کبھی معدہ کے خلل سے بھی ورم ہو جاتی ہے- شب درمیانی ۲۸ و ۲۹- مارچ ۱۹۰۸ء- (۱) احسن اللہ امرک- ترجمہ- اللہ تعالیٰ نے تیرا کام اچھا کر دیا- (۲) احسن اللہ امری- ترجمہ- اللہ تعالیٰ نے میرا کام اچھا کر دیا- (۳) یاتین من کل فج عمیق ترجمہ- میرے پاس تحائف آئیں گے ہر دُور کی راہ سے- (۴) امید سے بڑھ کر- (۵) رعایا میں سے ایک شخص کی موت- (۶) فتح-

۱۱- اپریل ۱۹۰۸ء (۱) کتب اللہ علی نفسہ الرحمۃ- (۲) حق علینا نصر المومنین- (۳) انی احافظ کل من فی الدار- من ھٰذہ المرض الذی ھو ساری- (یعنی من ھٰذہ الاٰفۃ اور مرض اسکا بدل ہے) ترجمہ- میں تمام گھر والوں کو اس بیماری سے بچاؤنگا اسی بیماری سے جو متعدی ہے (۴) امید سے بڑھکر فایدہ ہوا- (۵) دوبارہ زندگی- (۶) منسوخ شدہ زندگی- ۱۲- اپریل ۱۹۰۸ء انی براءٌ من ذٰلك (یہ کسی کا مقدمہ ہے) ۱۳- اپریل ۱۹۰۸ء- (۱) رحمت اور فضل کا کلام- (۲) شکر کا کلام-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علے رسولہ الکریم

عباس کی تعلیم

عباس بابی مذہب کے مذہبی آئمہ کی تثلیث کا تیسرا بڑا رکن ہے اور بہار اللہ کے مرنیکے بعد اس مذہب کو بہت سی کامیابی اس کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔ یہ بہار اللہ کا بیٹا ہے اور اپنے باپ کی وفات کے بعد کثیر حصہ بابیوں کا مسلّم امام ہے۔ اس کا علاتی بھائی محمد علی نام جو بہار اللہ کی دوسری بیوی سے تھا اس کا مدمقابل تھا۔ اس کی زندگی کا حال لایف اینڈ ٹیچنگز اف عباس افندی (عباس افندی کی سوانح اور تعلیمات) میں مندرج ہے جو کہ نیویارک کے ایک وکیل مسمی مائیرن۔ ایچ فلپس نے ۱۹۰۴ء میں لکھی ہے۔ مسٹر فلپس نے کتب بابیہ کے مطالعہ سے مفتون ہو کر عکا کا سفر بھی کیا تھا اور اس لیے اسکی کتاب ایک سچے بابی کے خیال کی رو سے زمانہ حال کے مطابق بابی مذہب کو ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ کیونکہ اس کے معلومات یا تو خود عباس سے بلا واسطہ حاصل کیے گئے ہیں۔ یا ایسے اشخاص سے لیے گئے ہیں جو عباس سے بہت قریبی اور گہرے تعلقات رکھتے ہیں اور اس کے حالات زندگی اور تعلیمات سے خوب واقف ہیں۔

اس موجودہ مضمون میں ہمیں عباس کے واقعات زندگی سے کچھ سروکار نہیں ہے

ہاں صرف اسقدر ہم اس کی زندگی کے واقعات پر بحث کریں گے جنکا اثر اسکی تعلیمات پر پڑتا ہے یا پڑا ہے۔ مختصراً اسکی سوانح یوں بتلائی جاسکتی ہیں کہ یہ ایک دردناک دُکھوں اور مصایب کی زندگی کا خاکہ ہے۔ جلاوطنی اور قید کی زندگی میں جسکے ساتھ بڑے بڑے مصایب تھے شاید صرف ایک ہی بات سکینت دینے والی تھی یعنی بابیوں کا اپنے پیشوا کی اپنے اموال کے ساتھ مدد کرنا اور جہاں تک ممکن ہو مالی تنگی کی تکلیف اسے نہ پہنچنے دینا۔ مسٹر فلپس نے بہت سی مؤثرانہ کہانیاں لکھی ہیں۔ جن میں بتلایا گیا ہے کہ عباس افندی نے ان مصایب کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا ہے اور بڑی برداشت اور تحمل سے کام لیا ہے۔ خصوصاً جلاوطنی اور قید کے بڑے لمبے زمانہ میں۔ اور اس نے اپنے ہیرو کے بعض بڑے کاموں کو بڑی بسط اور تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن جبکہ اسنے عام پبلک کے سامنے نیکی کے وہ چھوٹے چھوٹے کام پیش کرنے میں بہت اچھا کام کیا ہے جو انسان کو ایک عظیم الشان انسان بنا دیا کرتے ہیں اس نے بڑی محنت اور توجہ اس میں بھی صرف کی ہے کہ ہر ایک ایسی بات کو جو بابی مذہب کے لیڈروں کے چال چلن پر دھبہ لگا سکے دفع کیا جاوے۔ مسٹر فلپس کی یہ غلطی قابل عفو ہے کیونکہ اس نے بابی لیڈر کی زندگی اور تعلیمات کا مطالعہ تنقید کی غرض سے نہیں کیا ہے بلکہ ایک مداح کے خیال کی روسے بلکہ یوں کہنا بجا ہوگا کہ اس نے ایک مومن یا پیرو کے طور پر اسکی زندگی کو پڑھا اور لکھا ہے۔ مگر تاہم ہمیں اس کی زندگی کے واقعات سے کچھ سروکار نہیں ہمیں صرف اسکی تعلیمات کو دیکھنا ہے۔

جیساکہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں عباس بابی مذہب کے لیڈروں میں ثالث ثلاثہ ہے جنہوں نے اس بابی مت کو بنایا ہے۔ لیکن انہیں سے ہر ایک میں

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہر ایک نے اس مذہب کو اپنے ہی قالب میں ڈھالنا چاہا ہے۔ علی محمد (باب) نے ۱۸۴۴ء میں بابی مذہب کی بنا ڈالی اور البیان پر اپنے دعویٰ کی بنا رکھی۔ حسین علی (بہاء اللہ) نے باب کے قتل کے قریباً اٹھارہ برس بعد بابی مذہب کی امامت کا دعویٰ کیا اور یہ اعلان کیا کہ البیان اسکے اس کلام سے منسوخ ہو گیا ہے جو اس نے کتاب الاقدس میں درج کیا ہے اور اسوقت سے بابی مذہب کی کتاب مقدس یہی کتاب الاقدس سمجھی گئی ہے اور اسی کتاب پر بابی مذہب کے تمام اصول کی بنیاد ہے۔ اب بہاء اللہ کے بعد اس کا بیٹا گدی پر بیٹھتا ہے۔ اور اگرچہ جسطرح کھلے طور پر بہاء اللہ نے باب کی تعلیم کو منسوخ قرار دیا تھا عباس اسطرح بہاء اللہ کی تعلیم کو منسوخ نہیں کہتا بلکہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ اسکا اسی تعلیم اور انہی عقاید پر ایمان ہے۔ مگر ان قوانین میں جو بہاء اللہ نے قایم کیے تھے یہاں تک اس نے تغیر و تبدل کیا ہے کہ اب ان میں بہاء اللہ کا مذہب نظر آتا ہی نہیں یہ بات ہم صرف فلپس کے بیانات کی بنا پر لکھتے ہیں کیونکہ وہ عین یقین دلاتا ہے کہ تعلیمات عباس جو اس نے اپنی کتاب میں درج کی ہیں خود علم سے بلا واسطہ لی گئی ہیں اور شایع کرنے سے پہلے اس کے سامنے پڑھی گئی تھیں اور اسنے انکو صحیح تسلیم کیا تھا پس ہمیں اس کے بیانات پر شک کرنے کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ عباس کے ہاتھوں میں بابی مذہب نے بہ نسبت مذہب کے زیادہ تر فلسفہ کا رنگ پکڑ لیا ہے۔ وہ بہ نسبت اس کے کہ اپنے مریدوں کو رہنمائی کے لیے تعلیم دے یا اصول بتائے۔ فلسفیانہ مسائل کے حل کرنے میں بہت تشریحات سے کام لیتا ہے۔ اگرچہ یہ کہا گیا ہے کہ عباس تعلیم یافتہ نہیں ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجودہ زمانہ کی سائنس کے اعلیٰ درجہ کے اصول سے خوب واقف ہے اور اس نے روح اور مادے کی

اصلیت کے مسئلہ کو آج کل کی سائینس کے مطابق مسئلہ ارتقا پر قایم کیا ہے
برخلاف بہار اللہ کے جو بار بار خدا کو خالق قرار دیتا ہے عباس کہتا ہے کہ خدا کچھ
پیدا نہیں کر سکتا (دیکھو صفحہ ۱۶۹) اور مادہ انادی اور ازلی ابدی ہے (دیکھو
صفحہ ۱۷۰) روح اور مادہ کے متعلق عباس کی تعلیم یہ ہے کہ وہ موجودہ حالت تک
چار عالموں میں سے ہو کر پہنچے ہیں یعنی عالم معدنیات۔ عالم نباتات۔ عالم حیوانات
اور عالم انسان (دیکھو صفحہ ۱۱۹) اس آخری درجہ پر یعنی عالم انسانی میں پہنچکر ہر دو
روح و مادہ کے متعلق یہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ اپنی تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ کیونکہ
انسان "قدرت کی آخری پیداوار اور اس کی ترقی کا مقصد اعلیٰ ہے" (صفحہ ۱۲۰)

روح کے غیر فانی ہونیکے مسئلہ پر بھی عباس کے خیالات بہار اللہ سے
مختلف ہیں کیونکہ عباس کے خیالات اُس فلسفیانہ طرز پر واقع ہوتے ہیں جسکو
اس نے اختیار کیا ہے۔ ہر دو باب اور بہار اللہ روح کے غیر فانی ہونے اور
بعث بعد الموت پر ایمان لاتے تھے۔ لیکن عباس کے خیالات سے ایسا
ثابت نہیں ہوتا۔ عباس کے نزدیک انسان کا شعور روح کی جسم سے جدائی کے
بعد نہیں رہتا سوائے چند حالتوں کے۔ انسان کے خیالات جذبات اور
خو بو خیال کیے گئے ہیں کہ اس کے مرنیکے بعد کسی اور جگہ میں رہتے ہیں۔ مگر
روح باقی نہیں رہتی اور یہ جذبات اور سیرت بعد میں کسی اور انسان میں حلول
کر جاتے ہیں۔ اسکے ثبوت میں یہ پیش کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کی سیرت اور
خو بو دوسرے میں پائی جاتی ہیں۔ اس خیال میں "بروز" کے خیال کو بگاڑ کر
بیان کیا گیا ہے مگر عباس کے نزدیک حیوانی روح کے علاوہ انسان میں ایک
اور روح بھی ہوتی ہے جو الٰہی روح کہلا سکتی ہے۔ یہ روح جو کہ حقیقی طور سے انسانی
روح کہلاتی ہے عام لوگوں میں یا عام طور سے بنی آدم میں نہیں پائی جاتی۔ بلکہ

صرف چند افراد کاملہ انسانیہ میں ہوتی ہے۔ جن میں یہ کافی طور سے نشوونما پاتی ہے اور ان حالتوں میں یہ روح انسان کی موت کے بعد زندگی کی اعلیٰ حالتوں میں چلی جاتی ہے۔ اسجگہ بہتر ہوگا کہ ہم مسٹر فلپس کے اصل الفاظ میں اس عقیدہ کو بیان کریں۔ کیونکہ یہ بابی مذہب میں ایک ایسا نیا عقیدہ ہے جوکہ ہر دو باب اور بہار اللہ کو معلوم نہ تھا بابی مذہب کے علم روح کے فلسفہ کی باب میں مسٹر فلپس لکھتا ہے۔ "لیکن انسان یا تو امکان کی رو سے یا حقیقی طور سے ایک اور اصل رکھتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ تمام دوسری مخلوقات سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ الٰہی شعاع ہوتی ہے اور انسان کو بلا واسطہ خدا کی طرف سے پہنچتی ہے۔ عباس افندی نے اسکو محبت الٰہیہ کی ایک شعاع قرار دیا ہے۔ جو ہر ایک انسان کی طرف خدا کی طرف سے اسکی بلوغ کے وقت بھیجی جاتی ہے۔ یہ حقیقتہً روح انسانی ہوتی ہے۔ جب یہ انسانی کانشنس (ضمیر) سے ملتی ہے تو یہ ایک ذات یا شخصیت کا جامہ پہن لیتی ہے۔ جو صرف اپنے تئیں اور خدا کو جانتی ہو یہ روح انسانی عقل اور قوت متفکرہ کو روشن کرتی ہے اور اسکو اپنی شکل اور حقیقی روح کی شکل دیتی ہے۔ الروح کی زندگی سے بنی نوع آدم کے گروہ کے گروہ بالکل ناواقف ہیں۔ لیکن یہ روح شریف۔ عمدہ اور بلا غرض والے کاموں کی تحریکات کا ذریعہ بنتی ہے جو کام انسانی زندگی کے صفحہ کو روشن کرتے ہیں۔...... دنیا اور تمام اس کی ہزارہا اشکال صرف اس لیے زندہ موجود رہتی ہیں کہ مسئلہ ارتقا کے مطابق شخصیت تعقل اور جذبہ کے ایسے مرکز پیدا کرے جو انسانی روح اور الٰہی شعاع کے درجہ تک پہنچ سکیں اور اس سے اتحاد کامل پیدا کر سکیں۔ اسی تکمیل کی طرف مسئلہ ارتقا کے مطابق یقیناً تمام انسانی نسل ترقی کر رہی ہے بنی آدم کے ایک بڑے حصہ نے اس نشوونما کے درجہ کو حاصل نہیں کیا ہے

جہاں یہ اتحاد ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن بہت سے آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں
جو اپنے قویٰ کی مشق سے اس درجہ کو حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ انسان جبتک وہ
اس دنیا میں ہے اپنی قسمت اور تقدیر پر بہت بڑا تصرّف رکھتا ہے۔ لیکن
لوگ اس وجہ کو تلاش نہیں کرتے۔ اپنے منہ خدا کی طرف نہیں موڑتے
عوام الناس جہالت اور حرص میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اپنی فانی زندگی کے
چند سال اپنی ذاتی خواہشات اور شہوات میں اور زمینی زندگی کے دھوکوں اور
خودی کی بے حقیقت باتوں میں صرف کر دیتے ہیں۔ انکے لیے کوئی زندگی
بعد الموت نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ انکے خیالات اور افعال بذریعہ
اپنے اثار اور اظلال کے جاری رہتے ہیں۔ اور تمام انسانی زندگی کے
عام طریقہ میں تغیر و تبدل پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ اُس درخت کے پتوں کی مانند
ہوتے ہیں جو بکثرت زمین پر گر پڑتے ہیں اور زمین کی کھاد بننے کیلیے
مفید ہو جاتے ہیں اور پھل جو خوب اچھی طرح طیار ہو کر پک جاتے ہیں ان
پتوں کے مقابلہ میں تعداد میں بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ ہر قسم کے ہزارہا
اجرام جو کبھی کامل نمو کو نہیں پہنچتے۔ قدرت (نیچر) نے انکو پیدا کر دیا ہے
اور کثرت سے دنیا میں پھیلا دیا ہے تاکہ چند افراد نشو و نما کے لیے مناسب حالات
پا سکیں۔ یا غیر مکمل اشکال کی ایک بڑی تعداد ارتقا کی خاطر ہر ایک درجہ
پر قربان کیجاویں تاکہ چند اور کامل افراد منتخب کیے جاویں جو اس ارتقاء کے
طریقہ کو جاری رکھیں۔ انسانی شخصیت کا اس الٰہی روح کے ساتھ اتحاد صرف
اسیوقت مکمل ہوتا ہے جب وہ عین جوانی کے زور کے وقت ظہور پذیر
ہو۔ لیکن ایک غیر مکمل اتحاد موت کے معاً بعد بھی واقع ہو سکتا ہے۔ جب کہ
حواس اپنے کاموں سے معطل ہو جاتے ہیں"۔ مصنف کتاب لکھتا ہے

"جب یہ اتحاد غیر مکمل ہوتا ہے تو انسانی حس جو روح کے نیچے دب جاتی ہے اب اپنے غیر مکمل ہونیکی حالت سے خوب واقف ہوکر زندگی کے دیگر حالات کیطرف انتقال کر جاتی ہے۔ جہاں اسکے تکمیل حاصل کرنیکے باقی موقعے اور ذریعے اسکی ذاتی جد و جہد پر موقوف نہیں ہیں۔ اور بطور ایک حق کی کوشش سے حاصل نہیں ہوسکتے یعنی اسطرح حاصل نہیں ہوسکتے جسطرح کہ اس دنیا میں تکمیل روح کیلیے موقعے ملتے ہیں بلکہ مرنیکے بعد اسکی تکمیل صرف خدا کی رحمت اور فضل پر منحصر ہوتی ہے۔ مگر جب اتحاد کامل اور مکمل ہوتا ہے۔ تو اس سے ایک شخصیت یا ذات پیدا ہوتی ہے۔ جس میں عقل الٰہی اور روح کی تمام منتشرہ قوتیں ہوتی ہے اور وہ اپنے تئیں جانتی ہے اور وہ یہ بھی جانتی ہے کہ وہ قادر مطلق لم یزل و لایزال ازلی ابدی خدا کا ایک جزو ہے زمانہ کی حکومت اسپر سے اٹھ جاتی ہے۔ اگرچہ وہ ابھی تک جگہ اور شکل کی حکومت کے اندر ہی ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی خاص جگہ کے اندر رہتی ہے۔ اس حالت میں روح اس الٰہی سرچشمہ میں محو ہوکر جس کا اپنے تئیں یہ ایک حصہ خیال کرتی ہے زندگی کی اعلیٰ ترقیات کی طرف انتقال کرجاتی ہے اور اپنے نشوونما کو جاری رکھتی ہے اور اپنی تکمیل کے آخری درجہ پر وہ زمانہ۔ مکان۔ جگہ اور شکل کی قیود سے دور آگے گذر جاتی ہے تب انسان اور خدا ایک ہو جاتا ہے یعنی وہی اصل ہوتا ہے اور وہی ظل۔"

اب یہ مشکل اور نظری مابعد الطبیعیات کے مسائل جنکو عباس افندی نے اسقدر قابلیت سے بیان کیا ہے بہاء اللہ کی تعلیم کے مطابق نہیں ہیں۔ اور اسکی تمام تعلیم ایسے مسائل کی جیسے مسٹر فلپس نے عباس افندی کی طرف منسوب کیے زور سے تردید کرتی ہے۔ مثلاً بہاء اللہ کتاب الاقدس میں ایک جگہ لکھتا ہے۔ لاینکرہ الا الذین سکرت ابصارھم فی الاولیٰ و فی الاخری لھم

عذاب مہین (صفحہ ۴۹) ترجمہ۔ بہار اللہ کا کوئی انکار نہیں کر سکتا مگر وہی شخص جو دنیا کے دھندوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ انکے لیے آخرت میں ذلت کا عذاب ہے۔ یہاں کم از کم اس نے آخرت کا وجود مان لیا ہے یعنی کہ مرنیکے بعد دو بارہ بہشت ہوگی اور اشرار کو انکی شرارت کے بدلہ میں سزا ہوگی۔ ایسی بہت سی عبارتیں بہار اللہ کی تصنیفات کے بہت سے مقام میں پائی جاتی ہیں۔ جہاں کہ ہر دو ابرار اور اشرار کی حیات بعد الممات صریح اور صاف الفاظ میں تسلیم کی گئی ہے۔ اپنے منکرین کا ذکر کرتے ہوئے اسی کتاب میں ایک موقعہ پر لکھتا ہے۔ من الناس من غرته العلوم و بہا منع عن اسمی القیوم واذا سمع صوت النعال عن خلفه یری نفسه اکبر من نمرود قل این هو ایها المردود تالله انه لفی اسفل الجحیم (دیکھو صفحہ ۱۶) ترجمہ۔ لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جنکو انکے علوم نے دھوکہ میں ڈالا ہے اور ان علوم نے انکو میرے نام قیوم (سہارا دینے والا۔ جسکے سہارے سے تمام دنیا قایم ہے) سے روک دیا ہے جب وہ جوتی کی آواز اپنے پیچھے سے سُنتا ہے تو اپنے نفس کو نمرود سے بھی بڑا خیال کرتا ہے تو کہدے اے مردود وہ نمرود کہاں ہے۔ اللہ کی قسم وہ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہے۔ اب یہ مشہور بات ہے کہ نمرود ایک بادشاہ تھا جس نے حضرت ابراہیمؑ کی مخالفت کی تھی اور بہار اللہ یہاں اقرار کرتا ہے اور بڑے پُر زور الفاظ سے اقرار کرتا ہے کہ وہ یعنی نمرود فی الدرك الاسفل من النار ہے یعنی آگ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہے اور اپنے مخالفین کو ڈراتا ہے کہ ایسی ہی سزا اُن علمار کو بھی دیجاویگی جنہوں نے بہار اللہ کی مخالفت کی اور اسے رد کر دیا پھر اس قانون کا ذکر کرتے ہوئے جو زانی اور زانیہ کے متعلق کتاب الاقدس میں اس نے بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے۔ هٰذا ما حکم به مالك السماء

فی الاولیٰ و فی الاخریٰ قد لهما عذاب مهین - صفحہ ۱۹ - ترجمہ - یہ وہ حکم ہے جو آسمانوں کے مالک نے دنیا میں اجرا کے لیے دیا ہے - آخرت میں زانی اور زانیہ کے لیے عذاب ذلت کا مقرر کیا گیا ہے -

بعث بعد الموت بہت سے اور موقعوں پر ابرار اور اشرار کیلیے عوام الناس اور برگزیدہ لوگوں کے لیے کم و بیش صریح الفاظ میں تسلیم کیا گیا ہے - ایک جگہ پر بہار اللہ کے منکرین اصحاب السعیر قرار دیئے گیے ہیں - اور بار بار انپر لعنت کیگئی ہے - پھر خدا تعالیٰ لوگوں کے لیے گناہ بخشنے والا عفو غفور مانا گیا ہے حالانکہ ایسا اعتقاد بہار اللہ کبھی بھی نہیں رکھ سکتا تھا اگر وہ بعث بعد الموت پر یقین نہ رکھتا کیونکہ وہی مقام ہے جہاں کہ شریروں کو انکی شرارت اور اخیار کو انکی حسنات کے بدلے عقاب و ثواب ہوگا اور گنہگاروں کے گناہ بخشے جاویں گے - لیکن اسکا بیٹا ہر کہ ظاہراً ابھی تک اسی کے اپنے مذہب کی اشاعت کر رہا ہے - لیکن کھلم کھلا اس کے مذہب کے بڑے بڑے اصول کی تردید کر رہا ہے اور بالکل بانی مذہب کے خیالات کے متضاد اور متخالف فرضی دعاوی اور اصول شایع کر رہا ہے - تاکہ اسکے فلسفیانہ خیالات کے مطابق ہوجاویں جو وہ انسانی زندگی کی ابتدا اور انتہا کے متعلق خیال کرتا ہے - وہ کھلے طور سے ان تمام کے لیے بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے جنہوں نے روحانی تکمیل کا اعلیٰ درجہ حاصل نہیں کیا اور اسطرح اس مذہب کے اصل اصول کی سخت مخالفت کر رہا ہے جسکا وہ اپنے تئیں واعظ خیال کرتا ہے -

ایک اور اختلاف جو عباس افندی نے اپنے باپ کی تعلیمات سے کیا ہے وہ ہے دوسرے مذاہب سے بابی مذہب کے تعلق کے بارہ میں - گذشتہ سال کے پرچوں میں ہم نے جو سلسلہ مضامین بابی مذہب پر لکھا یا تھا اس میں ہمارے

ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ بہاء اللہ نے اس زمانہ میں تمام مخلوقات کے ہادی بننے کا دعویٰ کیا تھا اور اس نے تمام دیگر مذاہب اور فرقوں پر لعن طعن کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ تمام مذاہب ضلالت کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کو "ابرار کیلیے برکت اور اشرار کے لیے ہلاکت قرار دیتا ہے۔" اور یہ فضل و رحمت انکے لیے ہے جو بہاء اللہ کو قبول کرتے ہیں اور یہ ہلاکت انکے لیے ہے جو اس کی تردید کرتے ہیں اور اسکی مخالفت کرتے ہیں۔ کتاب الاقدس اور بہاء اللہ کی دوسری تصنیفات ایسی عبارتوں سے پُر ہیں جیسی کہ مندرجہ ذیل عبارتیں ہیں۔ "خبردار وہ جو بہاء اللہ کے منکر ہیں ہلاکت کے گڑھے میں ڈالے جائیں گے۔" "مبارک ہیں وے جو مجھے قبول کرتے ہیں اور ہلاکت ہے انکے لیے جو مجھ سے انکار کرتے ہیں۔" "ہلاکت ہے انکے لیے جنہوں نے مجھے ترک کر دیا ہے۔" "وے ہے انکے لیے جو مُنہ موڑتے ہیں۔" "خدا انپر لعنت کرے۔" "خدا انسے لڑے۔" دوسرے مذاہب کا تو کیا ذکر ہے بہاء اللہ نے ان بابیوں سے بھی تحمّل سے سلوک نہیں کیا جو ابھی تک باب کے مذہب کے پیرو تھے لیکن انہوں نے بہاء اللہ کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس نے بڑے خطرناک الفاظ میں انپر طعن و تشنیع کی ہے۔ بعض وقت اسنے انکے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جیسے بیوقوف۔ جاہل ناکتدہ تراش اور غافل لوگ جو شیطان کی طرح لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے میں مشغول و مصروف رہتے ہیں۔" اور بعض دفعہ انہیں "کانھم حمر مستنفرۃ۔ فرت من قسورۃ" یعنی یہ گدھے ہیں جو شیر کے ڈر سے بھاگ گئے ہیں لکھا ہے۔ کتاب الاقدس کا مندرجہ ذیل حوالہ صاف طور سے بتلا رہا ہے۔ کہ بہاء اللہ کا دیگر مذاہب سے کیا تعلق تھا۔ "مبارک ہے وہ آدمی جو بہاء اللہ کا مصدق ہے اور ہلاکت ہے ہر ایک فریبی منکر کے لیے...... اور جان لو کہ البیان

کے تبعین نے اس فضل اور نعمت کے قبول کرنیسے انکار کیا ہے جسکی نظیر دنیا نے نہیں دیکھی...... اسطرح سے انکے نفسوں نے انکی بد اعمالیوں کو انکی نظر میں خوبصورت کر کے دکھلایا ہے اور آجکل وہ ضالین کے گروہ میں شامل ہوگئے ہیں وہ توہمات کی پرستش کرتے ہیں اور جانتے نہیں۔ اور بتوں کے سامنے سجدہ کرتے اور سمجھتے نہیں۔ وہ اپنے سروں کو پگڑیوں سے مزین کرتے ہیں اور خود گمراہ ہوگئے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کر رہے ہیں"

درحقیقت بہاراللہ نے جو بطور خود ایک مذہب کا بانی تھا چند ایک اصول پیش کیے ہیں اور ان اصول کے قبول کرنے پر ہی اسکے نزدیک تمام بنی نوع کی نجات منحصر تھی۔ سب سے پہلا اصل یہ تھا کہ اسکو خدا کا کامل اوتار سمجھا جاوے اور دوسرے ان احکام و قواعد کی اطاعت کیجاوے جو کتاب الاقدس میں درج کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے شروع میں ہی بڑی وضاحت سے لکھا گیا ہے کہ نجات حاصل کرنیکے لیے ضروری ہے کہ اسکو قبول کیا جاوے اور اُن احکام پر عملدرآمد کیا جاوے جو اس نے کتاب الاقدس میں لکھے ہیں۔ اس کتاب کو خدا کی میزان قرار دیا گیا ہے جس کے ساتھ تمام انسانوں کے اعمال وزن کیے جاتے ہیں اسطرح کہ خواہ کیسا ہی کوئی نیکی کا کام ہو وہ کسی کام کا نہیں جبتک کہ وہ قوانین کی کتاب (کتاب الاقدس) کے مطابق نہ ہو۔ چنانچہ خود اس کے پیرووں نے یہی سمجھا اور اسی کے مطابق اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ بہاراللہ کا قبول کرنا نجات کے لیے شرط ہے۔ مندرجہ ذیل حوالہ سیکرٹ مسٹر نیر (مقدس اسرار) کا جو بہائیزم کی تشریح کے لیے ایک امریکن تصنیف ہے جسکو مسٹر فلپس نے بھی نقل کیا ہے بہاراللہ کے مذہب کا سچا خاکہ ہے۔ اُس حوالہ کی عبارت یہ ہے۔ "جو شخص عبدالبہا کی محبت میں پکا اور مستحکم ہے اور بہاراللہ کے

مبارک مذہب کی تائید میں کھڑا ہو جاتا ہے وہ آسمان کی بادشاہت میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ جو خدا کے عہد میں پکا نہیں ہے وہ دوزخیوں میں سے ہے۔ آسمان کے دروازے اس پر بند ہیں"۔ (صفحہ ۸۷) "جو کوئی آج خدا کی شریعت اور عہد میں پکا ہے اور عبد البہا یعنی عباس افندی کی طرف توجہ کرتا ہے جیسا کہ بہاءاللہ نے کھلے طور پر حکم دیا تھا وہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہو جاتا ہے۔ برعکس اس کے جو شخص بہاءاللہ کے عہد کو توڑتا ہے اور عبد البہا سے منہ پھیرتا ہے جو شریعت کا مرکز ہے وہ ہر لحہ تنزل پر ہے ایسا شخص اصحاب الشمال میں سے ہے اور نار جہنم کے حروف میں سے ایک حرف ہے (صفحہ ۱۰۰) بہاءاللہ کی سچی تعلیم یہ تھی اب ہم دیکھتے ہیں کہ عباس افندی اپنے طبعی دین کے اصول بیان کرنے میں اپنے باپ کی تعلیم کا کہاں تک پاس کرتا ہے۔ اگر وہ واقعات جو مسٹر فلپس نے بیان کیے ہیں صحیح اور درست تصور کیے جاویں اور اس کے برخلاف خیال کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عباس افندی کے نزدیک کسی خاص مذہب کا پیرو بننا ضروری نہیں ہے یا بابی یا بہائی مذہب کو اختیار کرنا روحانی ترقی کے لیے ضروری نہیں ہے۔ مسٹر فلپس اپنی کتاب صفحہ ۹۶ میں ہم کو بتاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے عباس کو لکھا کہ "میں آپ کو ایک روحانی آدمی سمجھتا ہوں مگر ساتھ ہی آپ کی بعض تحریروں کو غلط خیال کرتا ہوں اور خود اپنے اندر روحانیت رکھتا ہوں" عباس نے اسکو مندرجہ ذیل جواب لکھا "کہ میں تم کو مبارک باد دیتا ہوں کہ تم میرے اس کام میں شریک ہو۔ اور میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ آپ اپنے کسی عقیدہ سے دست بردار نہ ہوں اور میرے نزدیک یہ بات بہت عمدہ ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ جس مذہب پر آپ ہیں اسی پر آپ قایم رہیں صرف ایک چیز ضروری

ہے کہ آپ سب سے بڑھکر خدا سے محبت کریں اور اسکی تلاش میں لگے رہیں" دوسرا واقعہ جو بیان کیا گیا ہے وہ ایک عیسائی لیڈی کے متعلق ہے جس نے عباس سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ بہائی اصول کے پھیلانے میں اسکی مدد کرے گی بشرطیکہ اسکو اجازت دیجاوے کہ وہ عیسائی مذہب میں داخل رہے اور عیسائی عقاید پر قایم رہے۔ اور عباس نے اسکو بہت خوشی سے اسکی اجازت دی تھی "اس نے اسکو نصیحت کی تھی کہ عیسائی مذہب میں ہی داخل رہے اور عیسائی کلیسیا میں رہکر اس سچی تعلیم کو جو اس نے سیکھی ہے اسطرح پر پھیلاوے کہ گویا وہ مسیح کی تعلیم ہے"

مسٹر فلپس بابی مذہب کے اس روش کو بابی مت کے نئے ریفارمر اور واعظ کے ہاتھ میں اس مذہب کے متعلق بڑی پُر معنی اور ضروری بات خیال کرتا ہے اور واقعی اور حقیقی طور سے یہ بات بالکل صحیح اور درست معلوم ہوتی ہے۔ ان دو واقعات مذکورہ بالا کے علاوہ وہ ایک تیسرا واقعہ بیان کرتا ہے جو اسکا اپنا چشم دید واقعہ ہے۔ بدھ مذہب کی ایک عورت نے عباس سے کہا کہ وہ بہائی مت کے اصول کی اشاعت میں اسکی مدد کرنا چاہتی ہے۔ لیکن وہ ان باتوں کو لوگوں میں ایک نئے مذہب کے اصول کے طور پر بیان نہیں کر سکے گی۔ عباس نے اسکو نصیحت کی کہ پہلے پہل انکو یہ عقاید ایسے طور پر سکھائے کہ گویا وہ انہی کے مذہب کی سچائیاں ہیں اور جب وہ ان میں پکے اور مستحکم ہو جاویں تب انکو یہ خبر دے کہ یہ اصول مذہب جو تم کو بتلائے گئے ہیں یہ ایک نئے مصلح نے سکھلائے ہیں اور انکو بدھ کا وعدہ یاد دلائے کہ اس نے کہا تھا کہ "ایک اور استاد آئیگا" لیکن جب اس عورت نے یہ ظاہر کیا کہ وہ اسقدر جرأت بھی نہیں کر سکتی اور کہا کہ میں دل سے بدھ مت کی پیرو ہوں اور وہ مذہب میرا جزو حیات ہو گیا ہے اسلیے میں اسکو کبھی ترک

نہیں کرسکتی۔ تو اسپر عباس نے اسکو کہا کہ جسطرح تم چاہتی ہو اسی طرح کرو اور یہ بھی کہا کہ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں کہ تم جس مذہب کی چاہو پیرو کہلاؤ۔

ان واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عباس کا یہ انداز بالکل بہاراللہ کے انداز کے برخلاف اور متضاد تھا حالانکہ عباس اپنے تئیں اسی کا متبع کہتا ہے۔ بہاراللہ کے نزدیک یہ نہایت ضروری تھا کہ نہ صرف اس کے دعاوی ہی کی تصدیق کیجاوے بلکہ اس کے قانون کی ذرا ذرا بات میں بھی پیروی کیجاوے جس میں اس نے عبادت کے اور تمدن کے بعض طریق اور قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف عباس کا طریق مسٹر فلپس یوں بیان کرتا ہے۔ "وہ کسی آدمی سے نہیں کہتا کہ وہ اپنے مذہب کو ترک کر دے بلکہ یہ کہتا ہے کہ اپنے ہی مذہب کی اصلی تعلیم اور روح کے مطابق زندگی بسر کرے۔ وہ بنی نوع کو یہ نصیحت کرتا ہے۔ کہ بہائی بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان عقائد اور اصول کو جنپر پہلے سے انکا ایمان ہے اچھی طرح سے عمل میں لانا چاہیئے" اب یہ امر نہایت صاف ہو گیا ہے کہ عباس کی تعلیم دیگر مذاہب کے متعلق بہاراللہ کی تعلیم سے بالکل مخالف ہے اور اس کے متعلق مسٹر فلپس کی کتاب سے میں صرف ایک اور حوالہ نقل کرنا چاہتا ہوں جو اسپر اور روشنی ڈالتا ہے۔ "جب عباس افندی سے یہ دریافت کیا گیا کہ اُن لاکھوں انسانوں کا کیا حال ہوگا جنھوں نے کبھی بہاراللہ کو سنا ہی نہیں۔ کیا وہ اس وجہ سے بالکل ناامیدی سے گرے گذرے سمجھے جائیں گے۔ تو اس نے جواب دیا نہیں۔ ہمارے خداوند کا ظہور تمام بنی آدم کیلیے تھا۔ انکے لیے بھی جو اسکو جانیں گے اور انکے لیے بھی جو اس سے بےعلم رہیں گے روح ہر جگہ وہی ہے (یعنی ہر مذہب میں بابی مذہب کی ہی روح اثر کر گئی ہے) خواہ کسی نام سے اسکو بنی آدم پکاریں وہ انکی آواز سُنیگا اور جواب دیگا اور جب اس سے بُت پرستوں کی بابت

پوچھا گیا جو بڑے شوق اور سچے دل سے پتھروں کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں اسنے جواب دیا انکی بھی سُنی جائے گی اور خدا انکی حفاظت کریگا"

ان دو فقروں میں ہمیں دو ایسے اصول بتائے گئے ہیں جن کو ایک سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ ان میں سے پہلا اصل یہ ہے کہ بہاءالله کی پیدایش نے تمام بنی آدم کو نجات بخشی ہے انکو بھی جنھوں نے اسکی بابت سُنا ہے اور ان کی بھی جنھوں نے اسکی نسبت نہیں سُنا اور نہ کبھی سُن سکیں گے۔ اور دوسرا اصل یہ ہے کہ ذلیل سے ذلیل قسم کی بُت پرستی اور توہم پرستی۔ اور الہیات کے ادنیٰ ترین خیالات ایسے ہی مفید ہو سکتے ہیں جیسا کہ معرفت الٰہی کے بلند سے بلند اور اعلیٰ ترین خیالات۔ ہم یہاں اتنا اور زیادہ کرتے ہیں کہ یہ اصول نہ صرف بہاءالله کی تعلیم کے متضاد ہیں بلکہ عباس کی اپنی دوسری تعلیم کے بھی سخت مخالف ہیں۔ یہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ تمام بنی آدم کی نجات بہاءالله کی آمد سے ہوگئی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں دوسری جگہ پر اس سے انکار کیا گیا ہے کہ لوگ مرنیکے بعد بھی زندہ ہونگے۔ اور انکی زندگی کو ان درختوں کے پتوں سے مشابہت دی گئی ہے جو بکثرت گر پڑتے ہیں اور صرف زمین کا کھاد بنکر اسکو زرخیز بناتے ہیں۔ ان دونوں عبارتوں کی باہم توفیق اور تطبیق محال ہے۔

اسی اثنا میں یہ بات بھی بیان کرنیکے قابل ہے کہ بابی مذہب کا موجودہ امام بعض صورتوں میں اسلامی شریعت کی پیروی کرتا ہے اگرچہ انہی باتوں کے متعلق بہاءالله کی شریعت اس کے سخت مخالف ہے۔ مثلاً مسٹر فلپس کہتا ہے کہ عباس ماہ رمضان کے روزے رکھتا ہے اور کہ اس نے خود دیکھا کہ اُس اثنا میں جبکہ وہ عکا میں ٹھہرا ہوا تھا ماہ رمضان کے آنے پر عباس نے مسلمانوں کی طرح روزے رکھے۔ اور ایسا ہی اس نے دیکھا کہ وہ اور اسلامی احکام کی پیروی بھی کرتا ہے

جن کی اسنے تفصیل نہیں دی۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "وہ مہینہ جو میں نے عکا میں گذارا وہ مسلمانوں کے روزوں کا مہینہ رمضان تھا جس میں جیساکہ تمام دیگر مسلمان روزے رکھتے تھے ویساہی عباس افندی اور اس کے تبعین نے بھی روزے رکھے۔ مگر یہ کام انہوں نے محض امن کی خاطر کیا اور نیز اس الزام سے بچنے کے لیے کہ انہوں نے شریعت میں کوئی تبدیلی کی ہے یا کسی قسم کا اختراع کیا ہے"۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ وجہ جو اسلامی شریعت پر عمل کرنیکے لیے بیان کی گئی ہے یعنی تا اسلامی گورنمنٹ کسی قسم کی عقوبت میں نہ ڈالے کہاں تک قابل تسلیم ہے کیونکہ بہاء اللہ نے کتاب الاقدس کو اس زمانہ میں لکھا تھا جبکہ وہ عکا کی قیدخانہ میں بند تھا اور اسی کتاب میں اس نے اپنے پیرووں کیلیے ایک نئی شریعت تجویز کی تھی اور صاف طور پر لکھا تھا کہ اسلامی شریعت میری آمد سے منسوخ ہوگئی ہے۔ اس لیے اس بات پر مشکل سے یقین آسکتا ہے کہ جس شریعت کو بہاء اللہ نے اسی گورنمنٹ کے ماتحت شایع کیا اور اپنے پیرووں سے اسپر عمل کرایا اب اسکے بیٹے کو اس شریعت پر عمل کرنیسے جبر کرکے روکا جاتا ہے اور اگر یہ وجہ بھی ہو کہ امن کی خاطر وہ ایسا کر رہا ہے تو کیا ایک مذہبی مصلح کی شان کے شایان بات ہے کہ دل میں عقیدہ کچھ رکھے اور ظاہر کسی شریعت پر عمل کرے۔ بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیئے کہ اگرچہ بہائی مذہب میں لوگ داخل ہو جاویں مگر خدا تعالیٰ کی غیرت نے اس شریعت کو سرسبز ہونے نہیں دیا جسکو بہاء اللہ نے اسلامی شریعت کا ناسخ قرار دیکر پیش کیا تھا کیونکہ جب خود امام ہی اسپر عمل نہیں کرتا یا نہیں کرسکتا تو اور لوگ کیا کریں گے۔

عباس کے اکثر مذہبی نصائح قرآن شریف سے اخذ کیے گئے ہیں اور مسٹر فلپس ہم کو یقین دلاتا ہے کہ عباس افندی ہر روز شام کو قرآن شریف کا درس دیتا ہے

اور اس کلام پاک کی آیات کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ اس بارہ میں بھی عباس اپنے باپ بہار اللہ کے فرمودہ کے برخلاف چلتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ بہار اللہ نے قرآن شریف کی تلاوت سے تو منع نہیں کیا تاہم اس نے اپنی کتاب الاقدس اور دوسری تصانیف کو اتنی اہم اور ضروری قرار دیا ہے کہ یہ بالکل بعید از قیاس ہے کہ اس کے مرید اپنے وقت کو قرآن شریف کی تفسیر سیکھنے اور سکھانے میں گذار دیں۔ کتاب الاقدس میں ہم لکھا ہوا پاتے ہیں "کہ کوئی شخص اگر اس کی (یعنی بہار اللہ کی) تصنیفات میں سے ایک ہی آیت پڑھیگا تو وہ اس کے لیے بہت ہی بہتر ہے بہ نسبت اسکی کہ وہ اولین اور آخرین کی تمام قدوسی کتابوں کو پڑھے" ایسے ہی فقرات اسی کتاب کے اور مقامات میں بھی پائے جاتے ہیں اور بہار اللہ کی دیگر تصانیف میں بھی بکثرت موجود ہیں۔ لیکن اب ہم بابی مذہب کے امام کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے عقاید اور اصول کی تشریح کیلیے قرآن شریف کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے۔ اور قرآن مجید کو کھول کھول کر اپنے مریدوں کو سنا رہا ہے باوجود یکہ بابی مذہب کی کتب مقدسہ موجود ہیں مگر یہ قرآن شریف کو انکے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے اور اپنے باپ کی کتب مقدسہ کی پرواتک بھی نہیں کرتا۔ بہار اللہ کی اس سے بڑھکر ناکامی اور کیا ہوگی کہ اسی کا بیٹا جو اس کی جگہ پر خلیفہ ہوا اس کے مذہب کا ستیاناس کر رہا ہے۔ مثلاً کلمةً طيبةً كشجرةٍ طيبةٍ اصلها ثابت و فرعها في السماء۔ تؤتي اكلها كل حين باذن ربها۔ و مثل كلمةٍ خبيثةٍ كشجرةٍ خبيثةٍ اجتثت من فوق الارض مالها من قرار۔

بڑے اعلیٰ درجے کے فلسفیانہ مسائل اور بہترین مذہبی اصول جو عباس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ وہ ہیں جو قرآن شریف سے لیے گئے ہیں۔ بطور مثال میں یہاں اُس باب کا ذکر کرتا ہوں جس میں روح کے خواص پر بحث کی گئی ہے۔ عباس کی

تعلیم کے مطابق روح کی تین حالتیں ہیں۔ پہلی حالت جو بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے جس میں نفس اپنے خواہشات ردیہ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ دوسری حالت وہ ہے جس میں انسان اپنے قصوروں کو معلوم کر لیتا ہے اور بُرے اعمال کی وجہ سے اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ تیسری حالت وہ ہے جس میں وہ خدا سے بالکل مطمئن ہو جاتا ہے اور اس میں وہ بکلی اطمینان پکڑ جاتا ہے۔ اب یہ روح کی تین حالتیں بعینہ وہی ہیں جو قرآن شریف میں بیان کی گئی ہیں اور عباس نے ان اصطلاحات ثلاثہ کو بھی قرآن شریف سے لیا ہے جہاں ان تین حالتوں کو نفس امّارہ۔ نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی اول وہ نفس جو ہر وقت بدیوں کا حکم کرتا رہتا ہے اور دویم وہ نفس جو اپنے تئیں بُرے اعمال پر ملامت کرتا اور نیک اعمال کی رغبت رکھتا ہے اور سویم وہ نفس جو اپنے خالق سے بالکل راضی ہو گیا ہے اور اس میں اطمینان کلی پکڑ گیا ہے۔ گیارہ برس سے زیادہ گذرتے ہیں کہ یہی مضمون لاہور کے جلسۂ اعظم مذاہب پر حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے پڑھا گیا تھا۔ اور اس کا انگریزی ترجمہ اسی رسالہ میں ۱۹۰۲ء کو شایع کیا گیا تھا۔ ہم نیچے دو کالموں میں ایک طرف نفس کی ان حالتوں کا بیان جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مضمون میں تھا اور دوسری طرف جس طرح پر عباس نے یہ حالتیں بیان کی ہیں لکھ دیتے ہیں اور بالمقابل کالموں میں ان بیانات کو رکھنے سے غرض یہ ہے کہ ناظرین مقابلہ کر کے دیکھ سکیں کہ آیا بابی تعلیم قرآن شریف سے ہی اخذ نہیں کی گئی ہے؟ یاد رہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا مضمون ۱۸۹۶ء کے اخیر میں شایع ہو چکا تھا اور یہ کتاب جس میں عباس کا مضمون ہے ۱۹۰۴ء میں شایع ہوئی ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے مضمون سے قریباً سات یا آٹھ سال بعد۔

روح کی تین حالتیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں اور اُنکو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جلسہ اعظم مذاہب لاہور ۱۸۹۶ء میں بیان فرمایا تھا۔

۱۔ پہلا سر چشمہ جو تمام طبعی حالتوں کا مورد او مصدر ہے اس کا نام قرآن شریف نے نفس امّارہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے ان النفس لامّارۃ بالسوء یعنی نفس امّارہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جو اسکے کمال کے مخالف اور اسکی اخلاقی حالتوں کے برعکس ہے جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بدراہوں پر چلانا چاہتا ہے غرض بے اعتدالیوں اور بدیوں کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اسپر طبعاً غالب ہوتی ہے اور یہ حالت اسوقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جبتک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہیں چلتا بلکہ چارپایوں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دکھلانے وغیرہ امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتوں

روح کی تین حالتیں جن کو عباس نے بیان کیا ہے اور یہ بیان مسٹر فلپس کی کتاب عباس افندی سے لیا گیا ہے صفحہ ۱۸۵ تا ۱۸۷۔

۱۔ "احساس والی روح کی حالت اول وہ ہے جس میں وہ بدیوں میں مبتلا اور گرفتار ہوتی ہے۔ اسکی یہ حالت انعام یعنی ... چارپایوں کے ساتھ مشابہ ہوتی ہے۔ اس حالت میں قوی بہیمیہ کی روح پر حکومت ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں وہ نیکی کو بدی سے تمیز نہیں کر سکتی۔ چونکہ وہ خواہشات نفسانیہ سے مغلوب ہوتی ہے اسلیے وہ جائز و ناجائز میں امتیاز نہیں کر سکتی۔ یہ خواہش نفسانیہ کے ہاتھ میں شہوات نفسانیہ کے جذب کے لیے کام دیتی ہے اس حالت میں نہ وہ خدا کو جانتی ہے اور نہ انسانی معصومیت کو (انسانی فطرت کی معصومیت سے میری مراد اسکی کامل طہارت اور پاکیزگی ہے جس میں کسی خواہش اور نفسانی کی ملاوٹ اور دخل نہیں ہے) یہ تمام اشیاء کی صداقت سے بہت دور رہتی

میں تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکھتا ہے اسوقت ان تین حالتوں کا نام طبعی حالتیں نہیں رہتا بلکہ اسوقت یہ حالتیں اخلاقی حالتیں کہلاتی ہیں۔

۲۔ اور اخلاقی حالتوں کے دوسرے سرچشمہ کا نام قرآن شریف میں نفس لوّامہ ہے جیساکہ قرآن شریف فرماتا ہے ولا اقسم بالنفس اللوّامہ یعنی میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے یہ نفس لوّامہ انسانی حالتوں کا دوسرا سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے اور اسجگہ نفس لوّامہ کی قسم کھانا اسکو عزت دینے کے لیے ہے۔ گویا وہ نفس امارہ سے نفس لوّامہ بنکر بوجہ اس ترقی کے جناب الٰہی میں عزت پانیکے لائق ہوگیا اور اسکا نام لوّامہ اس لیے رکھا کہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اسپر راضی نہیں ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم میں شتر بے مہار کی طرح چلے

ہے۔ یہ روح تعلیم یافتہ نہیں ہوتی۔ اگرچہ ظاہری طور پر اور اگرچہ اپنی باتوں سے وہ بتلاتے ہیں کہ وہ قوت ممیزہ رکھتے ہیں اور فرض بھی کر لیا جاوے کہ انہیں تمیز بین الطیب و الخبیث ہے مگر حقیقی طور سے انہیں کوئی قوت ممیزہ نہیں ہوتی۔ ایسے آدمی بکثرت ہوتے ہیں جو ہادیان راہ حق کی خبرگیری کے ماتحت نہیں ہوتے جو پاک اور مطہر تحریکات انسانیہ سے بالکل ناواقف محض ہوتے ہیں (یعنی ایسی تحریکات جو خواہش اور جذبہ نفسانیہ سے خراب نہ کی گئی ہوں)

۲۔ "بعد اسکے کہ انسان معلمان الٰہی کے نیچے آکر پناہ لیتا ہے اور بعد اس کے جو وہ انسانی طہارت اور پاکیزگی کو سمجھ لیتا ہے تب قوت ممیزہ حاصل کر کے وہ معلوم کر لیتا ہے کہ فطرت انسانیہ کسے کہتے ہیں۔ ایسا آدمی اپنے قصوروں کا اقرار کرتا ہے وہ اپنی نالایق اور صفات قبیحہ کی بابت خود اپنے سے سوال کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ پشیمان رہتا ہے

اور چار پایوں کی طرح زندگی بسر کرے بلکہ یہ
چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتیں اور
اچھے اخلاق صادر ہوں اور انسانی زندگی
کے تمام لوازم میں کوئی بے اعتدالی ظہور
میں نہ آوے اور طبعی جذبات اور طبعی
خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر
ہوں پس چونکہ وہ بُری حرکت پر ملامت
کرتا ہے اس لیے اُسکا نام نفس لوامہ ہے
یعنی بہت ملامت کرنیوالا اور نفس لوامہ
اگرچہ طبعی جذبات پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے
تئیں ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیوں کے
بجالانے پر پورے طور سے قادر بھی نہیں
ہوسکتا اور کبھی نہ کبھی طبعی جذبات اس پر
غلبہ کرجاتے ہیں تب گر جاتا ہے اور ٹھوکر
کھاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا
ہے جو گرنا نہیں چاہتا ہے مگر کمزوری کی
وجہ سے گرتا ہے پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا
ہے غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے
جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا
ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے
طور پر غالب بھی نہیں آسکتا۔

اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتا رہتا ہے۔
وہ نیکی اور تقدس کی طرف رغبت کرتا ہے یہ
احساس والی روح حالت ثانیہ کہلاتی ہے۔
یہ خدا کی طرف روح کی ترقی کا پہلا زینہ
ہے۔ یہ انابت اور یہ حسنات کی خواہش
ذریعہ بنجاتی ہے۔ جسکے ذریعہ سے باطنی نور
اور روشنی حاصل کیجا سکتی ہے۔ انسان
راستی اور غیر راستی کے صفات سے
خوب واقف ہوجاتا ہے۔ اسکی احساس
کی قوت ترقی کرتی جاتی ہے۔ وہ اللہ
کے فضل سے بصیرت حاصل کرلیتا
ہے اور الہام الٰہی اُسکو پہنچتا ہے۔ یہ
اسکی ترقی اور تربیت کے ذرایع ہوتے ہیں
انہی ذرایع سے وہ تعلیم پاتا اور تربیت
سیکھتا ہے۔ تب وہ اسرار الٰہیہ سے
مطلع ہوجاتا ہے۔ بغیر کسی کی تعلیم کے
وہ سچے اسرار الٰہیہ کو معلوم کرلیتا ہے۔
بغیر کسی اُستاد کے وہ فہم رسا حاصل
کرلیتا ہے اور تمام حقایق الاشیاء
کو پڑھ لیتا ہے۔

۳- جب وہ اس درجہ پر پہنچتا ہے تو

۳ - پھر ایک تیسرا چشمہ ہے جسکو روحانی حالتوں کا مبدء کہنا چاہیئے اس سرچشمہ کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے - یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ - فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی - یعنی اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پاگیا - اپنے خدا کیطرف واپس چلا آ - تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا - یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پاکر روحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ایسا پیوند کرلیتا ہے کہ بغیر اُسکے جی بھی نہیں سکتا اور جسطرح پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا اور بسبب اپنی کثرت کے اور نیز روکوں کے دُور ہونیسے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے - اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نفس جو خدا سے آرام پاگیا اسکی طرف واپس چلا آ - پس اسی زندگی میں نہ موت کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے

اسکو تقین اور اطمینان عطا ہوتا ہے - وہ استقامت اور استقلال حاصل کرلیتا ہے - اب اس کا اعتقاد اور مذہب پہاڑ کی طرح راسخ ہوتا ہے کہ کوئی اسکو بدل نہیں سکتا - اگر توہمات کے سمندر اپنے امواج اس کے اوپر سے گذار دیں تو وہ اس کی استقامت میں اتنا بھی خلل نہیں ڈال سکتے جتنا کہ ایک قطرۂ آب کسی چیز کو دھکا دے سکتا ہے اور تزلزل پیدا کرسکتا ہے - اگر تمام امتحانات اور ابتلاؤں کی فوجیں ملکر اسپر حملہ کریں تو اسپر ذرا بھر بھی اثر نہیں ڈال سکتیں - وہ ایسا متیقن ہوتا ہے - ایسا مستقل ہوتا ہے ایسا بشاش - ایسا اپنے مذہب میں پکّا اور خدا کی بادشاہت کو ایسا چاہنے والا - اپنی روحانی زندگی میں ایسا مضبوط اور راسخ ہوتا ہے کہ وہ اعدا کی تلوار کے نیچے گیت گاتا اور خوشی کے مارے رقص کرتا ہے - اگر تمام دنیا کے لوگ جمع ہوکر اس سے یہ چاہیں کہ وہ اپنے

اور اسی دنیا میں نہ دوسری جگہ ایک بہشت
اسکو ملتا ہے اور جیسا کہ اس آیت میں لکھا
ہے کہ اپنے رب کی طرف یعنی پرورش
کرنے والے کی طرف واپس آ۔ ایسا
ہی اسوقت یہ خدا سے پرورش پاتا ہے
اور خدا کی محبت اس کی غذا ہوتی ہے
اور اسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے
اس لیے موت سے نجات پاتا ہے
جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
قد افلح من زکٰھا وقد خاب من
دسّٰھا یعنی جس نے ارضی جذبات سے
اپنے نفس کو پاک کیا وہ بچ گیا اور
نہیں ہلاک ہوگا مگر جس نے ارضی جذبات
میں اپنے تئیں چھپا دیا وہ زندگی سے
ناامید ہوگیا۔

اعتقاد اور مذہب کو چھوڑ دے تو وہ
اس میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے اور
اس میں ذرا بھر بھی تزلزل پیدا نہ کرسکیں
گے۔ کیونکہ اس لیے کہ وہ واہب العطیات
سے نور حاصل کرتا ہے۔ جب وہ اس
درجہ پر پہنچتا ہے وہ مطمئن ہوجاتا ہے
وہ خدا میں آرام اور سکینت پاجاتا ہے
خواہ وہ کیسی ہی حالت میں اسکو پھینک
دے۔ یہ اس کے لیے خدا میں اطمینان
یافتہ ہونیکی حالت ہے وہ اپنے تئیں
محسوس کرتا ہے کہ وہ فضل کے سمندر
کی طرف جذب کیا جارہا ہے۔ اسوقت
خدا بھی اس سے راضی ہوجاتا ہے"

اس مقابلہ سے امید ہے کہ ناظرین خود معلوم کریں گے کہ عباس کی تعلیم میں جو اعلیٰ اور بہتر تعلیم ہے وہ تمام کی تمام قرآن شریف سے اخذ کی گئی ہو۔ درحقیقت بعض اوقات اس کی اخلاقی تعلیم قرآنی آیات کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے میں اسکی ایک مثال دیتا ہوں۔ مسٹر فلپس مندرجہ ذیل عباس کی تعلیم گردانتا ہے "تم عداوت کو محبت سے جیت سکتے ہو۔ اگر تم مہربانی اور شفقت سے اسکو ملو جو تمھیں ستاتا ہے۔ تم اس کی سخت طبیعت کو مغلوب کرسکتے ہو" اب قرآن شریف

کی مندرجہ ذیل آیت پر غور کرو۔ ادفع بالتی ھی احسنؕ فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہٗ ولی حمیم۔ یعنی احسن طریقہ سے بدی کو دُور کرو۔ پس بتحقیق وہ شخص کہ تم میں اور اس میں سخت عداوت ہے اچانک تمھارا پکّا اور دلی دوست بنجاویگا دیکھو حٰم السجدہ۔ یہاں عباس کی تعلیم نے اصلی مطلب اخذ کر لیا ہے مگر قرآن شریف کی آیت کے حُسن و خوبی کو کھو دیا ہے۔

عباس کی تعلیم میں عفو کے مسئلہ پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ بالکل لغو سا معلوم ہوتا ہے "جب تم آدمیوں کو بدی کرتے دیکھو۔ تو تمھیں انکے ساتھ ناراض نہیں ہونا چاہیئے" یہ اسکی تعلیم ہے عفو کے بارہ میں۔ اس تعلیم پر عمل کرنا بعض حالات میں انسانیت سے بھی بعید ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ ہم ایک بیکس اور بے بس انسان کو دیکھتے ہیں کہ وہ لُوٹا جا رہا ہے یا دیکھیں کہ ایک بچاری غریب عورت کی بے حرمتی کیجا رہی ہے کیا ہم بحیثیت انسان ہونیکے اپنی ناخوشی اور ناراضی کا اظہار نہ کریں گے۔ تمام نیکی معاف کرنے ہی میں نہیں ہے اور خود نیکی کی محبت بعض وقت بدی کے انتقام لینے میں دریغ نہیں کریگی۔ اَلسِّنَّ بِالسِّنِّ (دانت بدلہ دانت کے) کا مسئلہ بعض اوقات بہت ہی سخت معلوم ہوتا ہے لیکن تمام موقعوں پر محض نرمی اور معافی کا سلوک اور برتاؤ بھی اس سے بڑھ کر بیہودہ مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق اعلیٰ تعلیم وہ ہے جو قرآن شریف میں پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جزاء سیئۃٍ سیئۃٌ مثلھا فمن عفیٰ واصلح فاجرہ علی اللہ۔ یعنی بدی کی اتنی ہی سزا ہے جتنی کہ بدی کی گئی ہو جو شخص معاف کرے اور اسکے اس معاف کرنے میں اصلاح مدنظر ہو۔ تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ معاف کرنا اسوقت بہتر ہوتا ہے جبکہ موقع اور محل پر برتا جاوے۔ قرآن مجید بلا موقع اور محل کی عفو نہیں سکھلاتا اور نہ وہ یہ کہتا ہے کہ

ہر موقعہ پر بدی کا مقابلہ نہ کیا جاوے اور نہ وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ بدی کنندہ کو کسی وقت بھی سزا نہیں دینی چاہیئے۔ اصل اور قاعدہ جو قرآن شریف مقرر فرماتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک سمجھدار عاقل بالغ خود سزا اور عفو کے موقع و محل کو دیکھ لیا کرے۔ وہ مظلوم اور ستم رسیدہ انسان کے سپرد کرتا ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ آیا یہ موقعہ عفو کا ہے یا سزا کا۔ تب وہ طریق اختیار کیا جاوے جس سے اصلاح متصور ہو۔ قصور کرنیوالا اور خطاکار بعض حالات کے ماتحت عفو سے فایدہ اٹھایگا اور آیندہ کو اپنی اصلاح کرلیگا۔ لیکن دوسرے موقعوں پر ہوسکتا ہے کہ عفو اسپر الٹا اثر کرے اور مجرم کو اور سخت گناہوں کے کرنے پر دلیر کردے۔ اس لیے خدا کا کلام نہ تو حکم فرماتا ہے اور نہ ہی اجازت دیتا ہے کہ ہم اندھا دھند قصورواروں کی خطاؤں اور شرارتوں کو معاف کرتے جاویں لیکن وہ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم خوب غور کریں اور معاملہ کو پہلے اچھی طرح سوچ لیں اور یہ دیکھ لیں کہ کونسا طریق ہے جس سے حقیقی بہتری پیدا ہو سکتی ہے چونکہ دنیا میں بہت سے ایسے آدمی پائے جاتے ہیں جن میں انتقام کی قوت بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اس قوت کو افراط کی حد تک پہنچا دیتے ہیں اور ایک تکلیف اور ضرر رسانی کو مدتوں یاد رکھتے ہیں اور اسکو فراموش نہیں کرتے۔ ایسا ہی ایسے آدمی بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں جن میں طبعاً نرمی اور قصوروں سے درگذر کی عادت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ انتقام لینے میں افراط سخت خطرناک نتایج پیدا کرتی ہے ایسا ہی بیجا نرمی کرنا بھی بڑے برے نتیجے پیدا کرتا ہے۔ وہ آدمی جو فحش ترین اخلاق پر اغماض کرتا ہے یا اپنی عزت پر حملہ کرنیوالے کو معاف کرتا ہے یا ایک پاک دامن عورت کی بیحرمتی گوارا کرتا ہے کہہ سکتے ہیں کہ وہ معاف کرتا ہے لیکن اس کی یہ معافی صفت عفو میں داخل نہیں ہوسکتی بلکہ یہ اس کی دیوثی میں داخل ہے جو شرافت۔ پاکدامنی اور خودداری کا استیصال کردیتی ہے۔ کوئی عقلمند آدمی اس کی تعریف نہیں کرسکتا اور

نہ اسکو اعلیٰ اخلاق میں شمار کرسکتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ قرآن مجید نے عفو کے حدود مقرر فرما دیئے ہیں اور وہ بے موقع ومحل استعمال کردہ بخشش کو عفو میں شمار نہیں کرتا ہے محض ایک قصوروار کے قصور کی سزا دینے کے دعویٰ سے دست بردار ہونا خواہ کیساہی موقع ومحل ہو اور کیساہی سخت گناہ اس سے سرزد ہوا ہو کسی صورت میں اُن اعلیٰ نیکیوں میں داخل نہیں ہوسکتا جنکی انسان کو خواہش کرنی چاہیئے۔

اس مضمون سے میری یہ غرض نہ تھی کہ بابی تعلیم کا قرآن شریف کی تعلیم سے مقابلہ کرکے دکھاؤں بلکہ اصل غرض بابی مذہب کے تین پیشواؤں باب[1]۔ بہاءاللہ[2] اور عباس[3] افندی کی تعلیم کا مقابلہ کرکے یہ دکھانا تھا کہ یہ تینوں معلم اپنے بڑی بڑی اصول موضوعہ مخترعہ میں ایک دوسرے سے سخت اختلاف رکھتے ہیں اگرچہ ظاہراً یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ تینوں ایک ہی مذہب کے خادم ہیں اور مَیں خیال کرتا ہوں کہ چند مثالوں سے جو دی گئی ہیں ناظرین نے اس حقیقت کو معلوم کرلیا ہوگا اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھ لیا ہوگا کہ بابی مذہب میں جسقدر عمدہ تعلیم ہے وہ سب قرآن شریف سے لی گئی ہے۔

عذاب جہنم غیر منقطع نہیں

(مرقومہ حکیم فضلدین صاحب بھیروی)

ایک غلطی۔ جنوری ۱۹۰۶ء میں ایک مضمون بعنوان اسلامی بہشت اور دوزخ ریویو میں لکھا گیا تھا اس مضمون کے اثنا میں اسلامی بہشت اور دوزخ کا سچا فلسفہ بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ "دوزخ بھی ایک رنگ میں انسانی ترقی کا ممد ہے

کیونکہ جو لوگ طرح طرح کی بدکاریوں اور خطرناک سیاہ کاریوں اور غفلتوں میں مبتلا ہو کر پنے روحانی صحت کو بگاڑ چکے ہیں جبتک انکی بیماریوں کا علاج نہ ہولے تب تک وہ اس قابل نہیں ہو سکتے کہ کمالات انسانی کے حصول کے لیے ترقیات کر سکیں ..... اسی لیے دوزخی تدریجاً دوزخ سے نکالے جاوینگے " اس کی تائید میں قرآن شریف کی آیات اور لغت عرب سے ابد کے معنے بھی پیش کیے گئے تھے اور ایک حدیث بھی بیان کی گئی تھی جس کے متعلق یہ لکھا گیا تھا کہ وہ صحیح مسلم میں ہے۔ یہ مضمون میرے بعد ایک رسالہ ضیاء الاسلام نام میں ریویو سے نقل کیا گیا جسپر کسی شخص نے ایڈیٹر صاحب ضیاء الاسلام کو لکھا کہ حدیث مذکور مسلم میں نہیں ہے اور ایڈیٹر صاحب نے مجھے لکھا کہ یہ حدیث نہیں ملتی۔ انہی دنوں میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کیخدمت میں بھی کسی شخص نے بطور اعتراض یہی بات لکھی جسکو آپنے جواب کے لیے حاجی حکیم فضلدین صاحب کے سپرد کیا۔ حکیم صاحب نے اس کے جواب میں اصل مضمون پر مفصل لکھا ہے اور قرآن شریف کی بہت سی آیات اور احادیث سے اسی مسئلہ کی صداقت کو ثابت کیا ہے کہ آخرکار دوزخی دوزخ سے نکالے جاوینگے۔ لہذا تمام شبہات کے ازالہ کے لیے میں اس قابل قدر مضمون کو نیچے درج کرتا ہوں ساتھ ہی اسقدر میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں کہ جس عبارت کا حوالہ مینے دیا تھا وہ صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ بلکہ صحیح مسلم کی حدیث جسکا مضمون دوزخ سے آخرکار دوزخیوں کا نکالے جانا ہے اور تھی۔ اور غلطی سے مینے ایک اور عبارت کو لکھدیا۔ اگر اس غلطی کی وجہ سے جو جہانتک میں سمجھتا ہوں محض سہو ہے مجھ پر کوئی اعتراض آتا ہے تو میں اسکو تسلیم کرنیکو تیار ہوں مگر اس حدیث کا نہ ملنا اصل مضمون کے لیے کسی طرح مضر نہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث جسکی بجائے غلطی سے اور عبارت لکھی گئی تھی چونکہ حکیم صاحب کے مضمون میں تفصیل سے آتی ہے اس لیے میں اُسکو یہاں نہیں لکھتا۔ اور ناظرین کو حکیم صاحب کا مضمون بغور پڑھنے کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ (ایڈیٹر ریویو)

دوزخیوں کا دوزخ میں ہمیشہ بلا انقطاع رہنا نہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے نہ حدیث

عقل سے۔

(۱) قال النار مثوٰکم خالدین فیہا الا ما شاء اللہ ان ربک حکیم علیم ؁ (اللہ تعالیٰ دوزخیوں کو فرمائیگا کہ یہ آگ ہی تمھارے رہنے کا ٹھکانا اس میں رہ پڑو گے۔ ہاں مگر جب اللہ تعالیٰ چاہیگا بے شک تیرا رب حکیم و علیم ہے) اس آیت شریف میں چند امور قابل غور ہیں۔ اول مخاطب کون ہیں۔ سو اس آیت میں ایسے کفار مخاطب ہیں جنکی نسبت فرمایا کہ یہ ایسے سخت منکر ہیں کہ اگر ہم انپر ملائک بھی نازل کردیں اور مردے بھی انکے ساتھ باتیں کرنے لگ جائیں اور ہر چیز (جو جو چیز یہ لوگ بطور نشان مانگتے ہیں) انکے سامنے جمع بھی کردیں تب بھی یہ نہیں مانیں گے دیکھو لو اننا نزلنا ؁ دوسرا لفظ مثوٰکم ہے اور مثوی ایسے مکان کو کہتے ہیں جہاں دائمی قیام ہو چنانچہ یہ لفظ قرآن مجید میں کسی جنتی کے لیے بولا نہیں گیا جنکے لیے بلا انقطاع ابد الآباد کا وعدہ ہے بلکہ دوزخیوں کے لیے ہی مستعمل ہے۔ علاوہ دوزخیوں کے اسکا مادہ اور جگہ بھی مستعمل ہے مگر وہاں بھی دوام مراد نہیں۔ اول اکرمی مثواہ ؁ حضرت یوسف کے خریدار نے اپنی بی بی کو کہا۔ دوسرا انہ ربی احسن مثوای ؁ حضرت یوسف نے اس بی بی کی ناجائز خواہش کے جواب میں فرمایا (وہ تو میرا ایسا پرورش کرنیوالا ہے کہ جسنے میری جگہ معزز بنائی)۔ حالانکہ تھوڑا ہی عرصہ کے بعد وہ جگہ جاتی رہی۔ تیسرا وما کنت ثاویا فی اھل مدین ؁ (تو مدین والوں میں موجود نہ تھا) یہاں تو اور قلیل زمانہ مراد ہے۔ چوتھا واللہ یعلم متقلبکم و مثوٰکم ؁ (اللہ جانتا ہے تمھارا پھرنا اور تمھارا ٹھہرنا)

احادیث میں بھی یہی محاورہ پایا جاتا ہے۔ اول وعلی بغزان مثوی رسلی ای مسکنہم مدۃ مقامہم و نزلہم۔ دوسرا تثویتہ ای تضیفتہ (یعنے اسکو اپنا مہمان بنایا) تیسرا اسم رحم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المثوی لانہ یبثت المطعون بہ (رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے نیزے کا نام مثوی تھا کیونکہ وہ جسکو لگتا اسکو ہلنے نہ دیتا بلکہ وہاں ٹھہرا دیتا تھا) چوتھا الثوی الضیف (ثوی کے معنے ہیں مہمان) مجمع البحار جلد اول صفحہ ۱۶۹- اس کے سوائے کچھ اور الفاظ حدیث بھی وہاں ہیں جو بخوف طوالت لکھے نہیں گئے۔

تیسرا خالدین۔ یہ لفظ ابد الآباد کے لیے نہیں اسیواسطے زمانہ دراز کا بیان کرنا جب منظور ہوتا ہے تو اسکو ابداً کے ساتھ موکد کیا جاتا ہے چنانچہ صرف خلود کا لفظ قرآن مجید میں سوائے جنت ونار کے بھی آیا ہے جسکے معنے ابد الآباد نہیں۔ اول ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ سپ ۹ (مگر وہ جھکا زمین کی طرف (کیا معنے) اپنی خواہش کا تابع ہوگیا)۔ دوسرا یحسب ان مالہ اخلدہ ۳۰/۲۹ (وہ سمجھتا ہے کہ اسکا مال اسکو تادیر رکھیگا) کیونکہ ابدالآباد دنیا پر رہنے کا تو کسی دنیادار کو وہم بھی نہیں ہوتا۔ تیسرا الاماشاء اللہ۔ اس عبارت نے تو مثوی اور خالدین کی تفسیر بھی کردی یعنی مثوی اور خلود دائمی لازوال نہ ہوگا بلکہ ایک خاص مدت تک ہوگا جب اللہ تعالی چاہیگا اس جگہ سے نکال لیگا۔

(۲) اما الذین شقوا ففی النار لھم فیھا زفیر وشھیق خالدین فیھا الا ماشاء ربک ان ربک فعال لما یرید واما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیھا ما دامت السموات والارض الا ماشاء ربک عطاء غیر مجذوذ ۱۲/۹ (جو لوگ شقی ہیں آگ میں ہونگے اور اس میں چیخیں چلائیں گے اسی میں رہ پڑے جب تک دوزخ کے آسمان اور اس کی زمین ہوگی۔ ہاں جب تیرا رب چاہیگا۔ بیشک تیرا رب جو چاہتا ہے کرسکتا ہے اور جو لوگ سعید ہوں گے وہ جنت میں رہیں گے جبتک کہ جنت کے آسمان وزمین رہیں گے۔ مگر جب چاہا اللہ تعالی نے ہاں یہ انعام غیر منقطع ہے) اللہ تعالی نے جیسے جنتیوں کے ابدالآباد رہنے کا ثبوت اور بہت جگہ

ما دامت السموات والارض

قرآن مجید میں فرمایا اسی طرح دوزخیوں کے عدم دوام کے لیے بھی بہت جگہ قرآن مجید میں بیان فرمایا جنکا بیان عنقریب آتا ہے جو آیت پہلے گذر چکی الا ماشاء اللہ اس میں سخت کفار کے حق میں فرمایا تاکہ اس آیت کی تفسیر ہو۔ دوسری استثنا کے بعد وہاں دوسرا لفظ رب لگایا جیسے اس جگہ بھی اسی طرح فرمایا تاکہ استثنا کی تفسیر کرتے وقت ربوبیت الٰہی بھی مدنظر رہے اور ربوبیت کا کام ہے ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کو ترقی دینا اگر دوزخی ابدالآباد دوزخ میں رہیں تو انکی ربوبیت کب ہوگی۔ تیسرا اخیر دونوں آیات کا علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا اگر ان دونوں جنتی دوزخی کی حالت یکساں ابدالآباد ہی ہوتی تو اول میں جزا غیر محدود فرمانا ۔ فعال لما یرید۔ چوتھا کلمہ فعال لما یرید خود اپنی تفسیر آپ کر رہا ہے کیونکہ یہ کلمہ ایسی جگہ بولا جاتا ہے جہاں کوئی کام سننے والوں کے نزدیک مشکل ہو فرمایا تیرے رب کے نزدیک کوئی کام مشکل نہیں وہ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔

(۳) لابثین فیہا احقابا ۳۰ اس آیت شریف نے تو زمانہ خلود فی النار کی صاف اور صریح تفسیر بیان فرما دی اسکے معنے ہیں دوزخی دوزخ میں چند حقبہ رہیں گے۔ احقاب جمع قلت ہے اگر جمع کثرت ہوتی تب بھی زمانہ محدود ہی تھا مگر جمع قلت نے اور بھی کم کر دیا۔ حقبہ کے معنے قرآن کریم نے خود بیان فرما دیئے جہاں کہ موسیٰؑ نے اپنے ساتھی کو فرمایا۔ لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین او امضی حقبا ۱۵/۲۱ میں برابر چلتا ہی رہونگا یہانتک کہ یا تو وہاں پہنچ جاؤں جہاں دو بحر ونکا باہم میل ہو جاتا ہے یا چلتا رہونگا۔ اسی سال۔ لفظ حقب جسکی جمع احقاب ہے۔ اس سے مراد عام طور پر اسی سال لیے جاتے ہیں۔ اور جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے خود حضرت موسیٰؑ نے بھی اسی لفظ سے اس سے زیادہ مدت مراد نہیں لی کیونکہ یہ واقعہ نبوت کے بعد کا ہے اور نبوت کا زمانہ عموماً چالیس سال کی عمر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اسطرح حضرت موسیٰؑ کی عمر میں سے

اسّی سال ہی باقی رہ جاتے ہیں۔ پس لغت عرب اور پھر قرآن کریم دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسّی سال سے زیادہ عرصہ اس سے کسی طرح مراد نہیں۔ بلکہ لغت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ حقب کا استعمال ایک سال یا چند سالوں پر بھی ہوتا ہے اور اس آیت کے بعد جزاءً وفاقاً فرماکر اور بھی اس احقاب کے معنے کی تائید فرمادی۔ اگر بفرض محال حقب کے معنے کوئی بڑے سے بڑا زمانہ بھی لیا جاوے تب بھی زمانہ غیر متناہی یا ابدالآباد نہیں ہوسکتا کہ غیر متناہی کا اندازہ کسی متناہی چیز سے نہیں ہوسکتا جیسے کہ امام ابن قیم حادی الارواح میں لکھتے ہیں لایقدر الابد بالاحقاب صفحہ ۳ اور حضرت ابن عباس احقابا کے معنے صرف سنین ہی کرتے ہیں یعنی چند سال) فتح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۴۔

(۴) اذٰلك خیر نزلا ام شجرۃ الزقوم۔ انا جعلنٰھا فتنۃ للظّٰلمین ۱۳ (کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا درخت ہم نے اسکو مشرکین کے لیے فتنہ بنایا ہے) یہاں بھی دو لفظ قابل غور ہیں نزل جسکے معنے ہیں ابتدائے مہمانی جو وقت نزول مہمان دیجاتی ہے فتنہ کے معنے ہیں کندن کرنا خالص کرنا کسی چیز کو اسکے گند سے پاک کرنا جیسے کہا جاتا ہے فتنت الذھب بالنار یعنے سونے کو آگ کے ساتھ صاف کیا۔ خلاصہ یہ کہ ہم اس دوزخ کی آگ سے شرک کی میل کو جلا کر مشرکین کو پاک صاف کریں گے۔

(۵) ایحسب الانسان ان یترك سدًی۔ الم یك نطفۃ من منی یمنٰی۔ ثم کان علقۃ فخلق فسوّٰی۔ فجعل منه الزوجین الذکر والانثٰی۔ الیس ذٰلك بقٰدر علٰی ان یحیی الموتٰی ۲۹/۱۸ (کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ مہمل چھوڑا جاویگا کیا وہ تھوڑی جزو میں سے نہ تھا پھر جونک ہوگیا پھر اسے اللہ تعالیٰ نے ٹھیک ٹھاک تیار کرکے بنایا پھر اس سے نر و مادہ بنایا گیا وہ ذات قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کرے) اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کو ثبوت قیامت دینے کے لیے

سمجھایا ہے کہ تمھاری پیدائش میں کسقدر ترقی ہوئی کیا اتنی ترقی اس لیے کی گئی کہ تم مر کر مٹی ہو جاؤ اور اسی پر کارخانہ ختم ہو جاوے۔ نہیں۔ تم مہمل نہیں چھوڑے جاؤ گے بلکہ جیسے آجکل اپنی پیدائش اور پرورش میں ترقی دیکھتے ہو (تم مٹی تھے پھر نباتات بنے پھر غذا بنے پھر لہو پھر منی علیٰ ہذا القیاس جیسے بہت سی آیات سے ظاہر ہے) اسی طرح بعد الموت بھی تمھاری ترقی ہو گی۔ اب اگر اہل النار ابدالآباد دوزخ میں ہی رہیں گے تو انکی کیا ترقی ہو گی؟

(۶) وان ربک لذو مغفرۃ للناس علیٰ ظلمھم وان ربک لشدید العقاب [۱۳/۷] (بے شک تیرا رب لوگوں کو بخش دینے والا ہے باوجود انکے شرک کے اور تیرا رب سخت عذاب والا ہے) مغفرت کو عذاب پر مقدم فرمایا کہ اس کی رحمت غضب پر سابق ہے اس آیت شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عذاب سے بھی مغفرت ہی مطلوب ہے۔

(۷) افحسبتم انما خلقنٰکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون [۱۸/۶] (کیا تم نے گمان کر لیا کہ ہم نے تمکو عبث پیدا کیا اور تمھارا رجوع ہماری طرف نہ ہوگا) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کا انجام کار رجوع الی اللہ ہو گا اگر رجوع الی اللہ کے معنے صرف قیامت میں حاضر ہونا ہی لیا جاوے اور بعد اس کے ابدالآباد انکا دوزخ میں رہنا تو پھر انکی پیدائش عبث ٹھہریگی و نیز ولذٰلک خلقھم (اور رحم کے لیے ہی پیدا کیا انکو) کے خلاف۔

(۸) لترکبن طبقا عن طبق [۳۰/۹] (تم درجہ بدرجہ ترقی کرو گے اور ضرور کرو گے) جو دوزخ میں ابدالآباد رہیں گے وہ کس طرح درجہ بدرجہ ترقی کریں گے۔

(۹) یوم یقوم الناس لرب العٰلمین [۳۰/۶] وقضی بینھم بالحق وقیل الحمد للہ رب العٰلمین [۲۴/۴] (جبکہ لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہونگے اور انکا فیصلہ حق کے ساتھ ہوگا اور کہا جاویگا تمام حمد اللہ تعالیٰ کو ہے جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے) یہ آیت

شریف صاف اور صریح دلیل ہے اس بات پر کہ وہ فیصلہ قابل حمد ہوگا اور وہ فیصلہ ایسا ہوگا جسپر تمام عالم کیا معنے عالم جنت عالم دوزخ وغیرہ حمد بجالائیں گے اور وہ فیصلہ ایسا ہوگا کہ اس میں تمام عالموں کے حق میں ربوبیت ہوگی۔ اگر دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہے تو ان کے لیے ربوبیت کیا ہوئی حالانکہ عالمین میں وہ بھی داخل ہیں دوسرا انکے لیے الحمد للہ کسطرح ہوئی وہ تو ناامید ہوچکے۔ پس یہ آیت شریف عدم دوام بلا انقطاع کے لیے قطعی الدلالت ہے کیونکہ دوام بلا انقطاع میں نہ دوزخیوں کی حمد ہوسکتی ہے نہ انکے لیے کوئی ربوبیت ہوگی۔

(۱۰) الی ربک یومئذن المستقر $\frac{29}{17}$ (۱۱) الی ربک الرجعی $\frac{30}{21}$ (۱۲) الی ربک منتھاھا $\frac{30}{4}$ (۱۳) الی ربک المنتھی $\frac{27}{6}$ (۱۴) الی ربک یومئذن المساق $\frac{29}{17}$ (۱۵) یاایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا $\frac{30}{9}$ (۱۶) یاایھا الانسان ماغرک بربک الکریم $\frac{30}{7}$ (۱۷) بلیٰ ان ربہ کان بہ بصیرا $\frac{30}{9}$۔ ان تمام آیات میں جو متعلق قیامت کے ہیں رب کا لفظ لگایا ہے کہ وہاں بھی ربوبیت ہوگی اور عام تمام عالموں کے لیے ہوگی جنتی ہوں یا ناری۔ اگر دوزخی ابد الآباد دوزخ میں رہیں تو انکی کیا ربوبیت ہوئی حالانکہ مستقر اور رجعی اور منتھا اور مساق اور کدح یعنی کوشش تمام کے ساتھ ربوبیت لگی ہوئی ہے کیا ہے انکا قرار ربوبیت کے ساتھ ہوگا رجوع اور منتھا یعنی انجام بھی ربوبیت کے ساتھ ہوگا اور مساق چلنا بھی ربوبیت سے ہوگا جیسے قبر سے حشر۔ حشر سے جہنم۔ جہنم سے جنت۔ جنت سے رضوان وغیرہ الی غیر المنتھی۔ پھر عتاب کا سوال بھی رب کے لفظ کے ساتھ۔ پھر تعجب ہے کہ باوجود اسقدر ثبوت رحم اور عدم دوام نار کی پھر دوام پر ہی زور دیا جاتا ہے۔ اب غور کی جاوے کہ اہل النار کے لیے کیا الفاظ استعمال ہوئے تو ان میں خلود دائمی قطعاً کہیں پایا نہیں جاتا۔ مثلاً النار مثوٰکم۔ اسکی نسبت بھی بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا خالدین ہے اس کی نسبت بھی بیان ہو چکا۔ تیسرا ماوٰکم النار۔ یہ لفظ بجائے اس کے کہ خلود کے معنے دے اہل النار کے نکلنے پر دلالت کر رہا ہے۔ آوی الیہ پناہ کو کہتے ہیں جو کسی کو تکلیف کے بعد اس تکلیف سے بچا نیکے لیے دیجاوے۔ آوی الیہ ابویہ ۱۳ اوی الیہ اخاہ ۱۳ الم یجدك یتیما فاوی ۳۰ حضرت یوسف نے والدین اور بھائیوں کو قحط سالی و سفر و فقر کی تکلیف سے پناہ دی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتامی کی مصایب سے امان دیکر بچالیا۔ اسی طرح جنۃ الماوی بھی فرمایا کہ انکو دنیا کی ریاضات قبر حشر نشر صراط وغیرہ تکالیف و فزع سے امان دیکر بچالیا۔ اب اس لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل النار کو کسی قسم کی وہاں پناہ ملیگی یعنے خبث شرک و فسق و فجور سے پاک کرنیکے لیے انکو وہاں پناہ دیجاویگی جیسے شفاخانہ میں بیمار کو۔ باقی رہا انکا چیخنا چلانا ڈھائیں مارنا نکلنے کی التجائیں کرنا سو یہ سرکاری ہسپتالوں میں سخت بیماری کے مبتلا بیماروں کا نظارہ دیکھنے سے آدمی سمجھ سکتا ہے کہ چیرنے پھاڑنے زخم جلانے کاسٹک وغیرہ سخت دوائی لگانے کیوقت کسقدر وہ فریاد کرتے اور دوائی لگانے سے روکتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں خدا کے لیے چھوڑو چھوڑو مگر وہ چھوڑے نہیں جاتے جبتک وہ صحت یاب نہ ہو جاویں اسوقت انکا نظارہ بعینہ اس آیت شریف کی تفسیر کرتا ہے کلما ارادوا ان یخرجوا منھا اعیدوا فیھا ۲۱/۱۴ (جب کبھی نکلنا چاہیں گے واپس اسی میں رکھے جائیں گے) پس اس لفظ کو انما خلقناکم عبثا۔ ان یترك سدی۔ کے ساتھ ملانے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ دوزخ میں بھی ربوبیت ہی ہوگی۔ چوتھا لفظ مصیر ہے جیسے بئس المصیر اس لفظ کے معنے صرف مرجع کے ہیں۔ اس سے بھی دوام نہیں پایا جاتا۔ پانچواں لابثین۔ بث کے معنے بھی معمولی توقف کے ہیں فلبث فی السجن بضع سنین ۱۲ حضرت یوسف چند سال سجن میں ٹھہرے رہے۔ چھٹا لفظ سیصلی نارا ہے اسکا اصل

مادہ صلی ہے اسکے معنے ہیں دعا کرنیکے اسی سے ہے صلوا علیہ اور اقیموا الصلوٰة۔ اور اسکے معنے ہیں بھوننے کے اُتی بشاة مصلیة ای مشویّة (حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مچھلی بھونی ہوئی حاضر کی گئی مجمع البحار) صلی کے معنے ہیں گرم کرکے سیدھا کرنا۔ صلیت العصا بالنار اذا لیّنتھا و قوّمتھا مجمع البحار (سوٹے ٹھہرے کو گرم کیا جاوے جب آگ سے گرم ہوکر نرم ہو جاوے تو اسکو سیدھا کیا جاوے) اور صلے کے معنے ہیں آگ سے سردی کو دُور کرنا تاپنا۔ جیسے موسیٰؑ نے فرمایا لعلکم تصطلون تاکہ تم تاپو۔ اس لفظ سے بھی اہل النار کا نار سے نکلنا ہی پایا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان منکم الا واردھا کان علی ربك حتما مقضیا (ہر ایک تم میں جہنم کو وارد ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کا پختہ فیصلہ ہے) اگر اس کے معنے کیے جاویں کہ قیامت کے دن ہر ایک خواہ نبی ہو خواہ ولی وارد جہنم ہوگا تو یہ معنے دوسری آیات قرآنی کے خلاف ہیں جیسے فرمایا اولئك عنھا مبعدون (نیک لوگ اس جہنم سے دُور رہیں گے) پس اس آیت شریف کا مطلب ورود سے یہ ہے کہ جن لوگوں نے آتش محبت الٰہی میں اپنے آپ کو گرم کرکے سیدھا کرلیا وہ تو آگ ایکدفعہ لے چکے اور جنہوں نے ایسا نہیں کیا وہ اسی آگ میں گرم کرکے سیدھے کیے جائیں گے کہ اصل غرض تو سیدھا کرنا ہی ہے اسیواسطے یوم القیامة نام رکھا گیا کہ جو دنیا میں سیدھے نہیں ہوئے وہ اس روز سیدھے کیے جائیں گے۔ اس لفظ سے بھی دوام نہیں پایا جاتا بلکہ آگ سے نکلنے کے ہی سامان کیطرف یہ لفظ بھی اشارہ کرتا ہے ساتواں لفظ ہے ورود جیسے وبئس الورد المورود اس میں بھی دوام نہیں بلکہ اسمیں تو دخول بھی ضروری نہیں جیسے لما ورد ماء مدین آٹھواں لفظ ہے مآب اسمیں بھی دوام نہیں پایا جاتا اس کے معنے حرف مرجع کے ہیں۔ انه کان للاوابین غفورا یاجبال اوّبی معه والطیر نواں مہاد ہے وبئس المھاد مھد اور مہاد کے معنے ہیں فرش بسترہ یا جھولا دونوں صورتوں میں مہاد عارضی جگہ ہے نہ دوامی۔ دسواں لفظ اصحاب ہے

جسکا ماخذ صحبت ہو جیسے فرمایا اصحاب النار مگر صحبت کا لفظ بھی دوام کے لیے نہیں ہوتا

(۱۸) یا ایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ .... ذٰلک بان اللہ ھو الحق وانہ یحیی الموتیٰ وانہ علیٰ کل شیٔ قدیر وان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور ترجمہ اس آیت شریف سے بھی اللہ تعالیٰ نے ترقیات غیر متناہیہ کیطرف لیجانیکا ثبوت دیا ہو اور اس ثبوت کے لیے ابتدائی حالت کی ترقی کو یاد دلایا ہے اسکی تفصیل آیت نمبر ۶ و ۹ میں گذری

(۱۹) امہ ھاویۃ اسکی ماں ہاویہ ہے۔ ماں کا کام بچہ کی پرورش کرنا ہے دوسرا بچہ ہمیشہ ماں کی گود میں نہیں رہا کرتا بلکہ تھوڑے عرصہ کے بعد ترقی کرکے گود سے نکل جاتا ہے ہاں ایام پرورش میں وہ اسکی ہر قسم کی بیماری کا علاج کرتی ہے بچہ نادان اگرچہ اس علاج سے بسبب تلخی یا دوائی کے کڑوا ہونے یا سخت بیماری کے جلانے وغیرہ سے انکار بھی کرے تو وہ جبتک صحت یاب ہوجائے اسکی والدہ علاج سے دست بردار نہیں ہوتی بلکہ کلما ارادوا ان یخرجوا منھا اعیدوا فیھا کا نظارہ دکھاتی ہے۔ اس آیت میں تو زیادہ وضاحت اس بات کی بیان فرمائی کہ وہ دوزخ میں کیوں بھیجے جائیں گے۔

(۲۰) قل ارایتکم ان اتٰکم عذاب اللہ او اتتکم الساعۃ اغیر اللہ تدعون ان کنتم صادقین۔ بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء وتنسون ما تشرکون کہہ تبلاؤ تو اگر آجاوے تمکو اللہ تعالیٰ کا عذاب یا وہ قیامت کیا سوائے اللہ کے کسی کو پکاروگے اگر تم سچے ہو (نہیں) بلکہ تم اسی کو پکاروگے پھر وہ دور کردیگا جس عذاب کیلیے پکاروگے جب چاہیگا۔ (اس لیے کہ تم عذاب پاکر) شرک کو ترک کردوگے۔

(۲۱) الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین۔ تمام حمد اللہ تعالیٰ کو جو تمام جہانونکا پالنے والا بن مانگے دینے والا سچی محنت کو ضایع نہ کرنیوالا مالک ہر ایک بدلہ دینے کے وقت کا۔ اس آیت شریف سے بھی اہل النار کا نکلنا ہی پایا جاتا ہے کیونکہ

اول لفظ حمد ہے سو اگر انکا دوام فی النار مانا جاوے تو انکو ہر قسم حمد کوئی نہیں رہتا دوسرا لفظ اللہ ہے جو جامع جمیع صفات کاملہ ہے جسمیں عفو غفران تواب رحم منعم وغیرہ صفات بکمال ہیں مگر اہل النار کا اگر دوام وخلود ہو تو بلا انقطاع انکو نہ عفو نہ غفران نہ توبہ منظور نہ انکی دعاؤں اور تضرع پر رحم نعوذ باللہ۔ گویا یہ صفات نعوذ باللہ اپنے کمال پر نہیں رہتے تیسرا لفظ رب یہ صفت بھی اگر کمال رکھتی ہے تو ہمیشہ ہر ایک کی ربوبیت کریگی مگر بحالت دوام انکی ربوبیت نہیں رہتی اور یہ بھی خلاف کمال ہے چوتھا لفظ العالمین ہے۔ العالمین کے معنے ہیں ہر قسم کے جہان جسقدر جہان اب موجود ہیں یا آیندہ ہوں۔ اہل النار بھی العالمین میں داخل ہیں اگر وہ اسی ایک ہی حالت عذاب پر چھوڑے جاویں تو انکی ربوبیت باہر رہ جاتی ہے۔ پانچواں لفظ الرحمٰن ہے یعنی کامل رحم بلا مبادلہ کرنیوالا اگر بلا ایمان مشرک کو کبھی بھی مغفرت نہیں کرتا تو رحم بلا مبادلہ بھی نعوذ باللہ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمانیت صرف دنیا کیلیے مخصوص نہیں فرمائی بلکہ اپنا وفی الدنیا والاخرۃ رحمانا ہونا بھی فرمایا ہے جیسے الملك یومئذن الحق الرحمٰن ۱۹ع (آج ساری سلطنت سچ مچ الرحمٰن کیلیے ہی ہے) ھذا ما وعد الرحمٰن ۲۳ع (یہ قیامت وہی ہے جو وعدہ الرحمٰن نے کیا تھا) یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن ۱۶/۹ (جب متقین کو الرحمٰن کیطرف ہم جمع کرینگے) سوائے اسکے اور بھی بہت جگہ فرمایا۔ پس دوزخیوں کا دوام بلا انقطاع ماننے سے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی کامل رحمانیت پر ایمان بھی نہیں رہ سکتا۔ پانچواں لفظ الرحیم ہے جسکا ترجمہ ہر سچی محنت کو ضایع نہ کرنیوالا۔ اب دوزخی ہیں کہ لاکھوں کروڑوں پدموں در پدموں سال دعائیں کرتے اور ربنا ربنا کہتے ہیں اور بڑی سخت اضطرار کے ساتھ تضرع کرتے ہیں مگر ارحم الراحمین مجیب دعوۃ المضطرین نعوذ باللہ ایک نہیں سنتا حالانکہ عذاب کی حکمت خود بیان فرماتا ہے کہ وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالباساء والضراء لعلھم یتضرعون ۹/۵ اس اعتقاد سے تو اللہ کی قدوس ذات پر نعوذ باللہ خلاف وعدہ کا بھی الزام عاید ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ خلق مائۃ رحمۃ - رحمۃ منہا قسمہا بین الخلائق وتسعۃ وتسعین الیٰ یوم القیامۃ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ - بحوالہ طبرانی فی الکبیر عن ابن عباس اور ایک روایت میں ہے واخر تسعا وتسعین رحمۃ یرحم بہا عبادہٗ یوم القیامۃ کنز العمال صفحہ ۲۴۶ بحوالہ ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ اور ایک روایت میں ہے واخر تسعا وتسعین فاذا کان یوم القیامۃ اکملہا بہذہ الرحمۃ کنز العمال صفحہ ۲۴۶ - بحوالہ مسند احمد ومسلم عن سلمان اور ایک روایت میں ہے فامسک عندہ تسعا وتسعین رحمۃ وارسل فی خلقہ کلہم رحمۃ واحدۃ فلو علم الکافر بکل الذی عند اللہ من الرحمۃ لم ییأس من الجنۃ کنز العمال بحوالہ بخاری ومسلم عن ابی ہریرۃ

اللہ تعالیٰ نے سو رحمت پیدا کی ایک رحمت کو تمام جہاں میں تقسیم کیا اور ننا نوے رحمت کو قیامت کے لیے رکھ چھوڑا جب قیامت ہو گی - تو ساری کامل سو رحمت کے ساتھ اپنی بندوں پر رحم کریگا اگر کافر کو بھی اس سو رحمت کامل کی خبر ہو تو وہ بھی جنت سے ناامید نہوں پس اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ خلود اہل النار بلا انقطاع نہیں بلکہ ایسا اعتقاد رکھنے سے سلب ایمان کا خوف ہے فنعوذ باللہ منہا -

چھٹا لفظ مالک یوم الدین ہے اس لفظ میں بھی باوجود سزا کے رحم کا بہت حصہ رکھا ہے اول تو اسکو پہلے رب العلمین الرحمٰن الرحیم فرماکر فرمایا کہ اگرچہ سزا ہو گی مگر اس میں ربوبیت رحمانیت ورحیمیت بھی ہو گی دوسرا اگرچہ سزا ہوگی مگر اجنبی حاکم کی طرح نہ ہو گی بلکہ مالکانہ رحم اسکے ساتھ ہوگا تیسرا اگرچہ سزا ہو گی مگر اس سزا میں ربوبیت ہو گی - صرف دکھ دینا مد نظر نہ ہوگا - اگر باوجود اسکے پھر بھی سزا بلا انقطاع ہی پائی جاوے تو گویا اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات کی سخت ناقدری ہو گی وما قدروا اللہ حق قدرہ - فنعوذ باللہ من ذٰلک - سو رحمت والی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جسقدر جانور ایکدوسرے سے رحم کرتے ہیں حیوان اور انسان یہ سب اسی ایک رحمت کے سبب سے ہی جو خلقت پر بانٹی گئی - اب ہم دیکھتے ہیں کہ والدین شریر سے شریر بدمعاش سے بدمعاش اولاد پر کسقدر رحم کرتے ہیں اور کتنی دفعہ انکے عذرات قبول کرتے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ کا رحم انسے بھی نعوذ باللہ کمتر ہے -

(۲۲) کتب ربکم علیٰ نفسه الرحمة ۖ (اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت لکھدی ہے) اگر دوزخیوں کو کسی رحم کی بنا پر دوزخ میں نہیں بھیجیگا بلکہ محض دکھ دینے کیلیے بھیجیگا تو نعوذ باللہ یہ کیا رحم ہوگا حالانکہ گورنمنٹ دنیوی کا منشا جیل خانہ بنانے سے یہی ہوتا ہے کہ دنیا سے بدی اُٹھ جاوے چوری قتل ڈاکہ وغیرہ مگر نعوذ باللہ خدا ارحم الراحمین کا جیلخانہ صرف دُکھ دینے کیلیے ہوگا۔

اب کچھ ثبوت خلود بالانقطاع احادیث وآثار وتفاسیر سے لکھتا ہوں (۱) سب سے اول صحیح مسلم کی حدیث ہے جو بخاری میں بھی آئی ہے جسکا آخری ٹکڑہ یہ ہے فیقول اللہ شفعت الملائکة وشفع النبیون وشفع المؤمنون ولم یبق الا ارحم الراحمین فیقبض قبضة من النار فیخرج منها قوما لم یعلموا خیرا قط۔ مسلم وکنز العمال صفحہ ۲۲۶ جلد ۷ بحوالہ احمد وبخاری ومسلم۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ فرشتے بھی شفاعت کر چکے۔ اور نبی بھی شفاعت کر چکے اور مومن بھی شفاعت کر چکے سوائے ارحم الراحمین کے اب کوئی باقی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک مُٹھی بھر کر آگ سے ایک ایسی قوم کو نکالیگا جسنے کبھی کوئی نیکی کا کام نہیں کیا۔ اس حدیث میں خیراً کا لفظ قابل غور ہے سو اسکے معنی کیلیے اسکے مابعد کی دوسری حدیث جو اسی مضمون کی ہے اسکے معنے صاف کر دیتی ہے کیونکہ اسمیں مثقال ذرة من خردل من ایمان کا لفظ صریح موجود ہے۔ یعنی جنہیں رائی کی برابر ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ بھی شفاعت کرنیوالوں کی شفاعت سے نکالے جاویں گے۔ باقی ایسے لوگ رہ جائیں گے جنہیں ذرہ بھر بھی ایمان نہ ہوگا اسی لیے انکا نام عتقاء اللہ ہوگا۔ یہ لوگ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم سے نکالے جاوینگے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مُٹھی بھر کر نکالیگا۔ تو اسکی مُٹھی سے کوئی باہر نہیں رہ سکتا جیساکہ قرآن کریم میں فرماتا ہے والارض جمیعا قبضته یوم القیامة۔ یعنی ساری زمین خدا کی ایک مُٹھی ہوگی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ملائکہ اور انبیاء کی شفاعت کے بعد تو لوگ باقی رہ گئے مگر ارحم الراحمین جب رحم کرنے پر آئی تو اسکی رحمت سے کوئی باہر نہیں رہ سکتا۔ (۲) اٰخر من یدخل الجنة رجل من جنة فیقول اهل الجنة عند جنة الخابرا لیقین۔ سلوه هل بقی من الخلایق احد یعذب فیقول لا۔ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۱۱ بحوالہ دارقطنی اور خطیب فی رواة مالک عن ابن عمر

(۳) لیاتین علی جہنم یوم کانہا زرع ھاج واحمر تخفق ابوابہا کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۴۵ بحوالہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامہ (جہنم پر ایسا زمانہ ضرور آئیگا کہ گویا وہ کھیت تھا جو لہلہاکر سوکھ گیا اس کے دروازے کھڑ کھڑائے جائیں گے (۴) یاتی علی جہنم یوم ما فیہا من بنی آدم احد تخفق ابوابہا صفحہ ۲۴۵ بحوالہ الخطیب عن ابی امامہ (۵) قال عمر لو لبث اھل النار کقدر رمل عالج لکان لہم علی ذلک یوم یخرجون فیہ (حادی الارواح ابن قیم صفحہ ۳۱۹ تفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۳۷۲ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۱ صفحہ ۳۶۳ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵۰ (حضرت عمر کہتے ہیں اگر اہل النار دوزخ میں بقدر ریگستان جنگل عالج کے بھی ٹھہرے رہیں تب بھی انکے لیے ایک ایسا وقت ضرور ہے جس میں وہ نکالے جائیں گے) (۶) قال ابن مسعود فی ھذہ الآیۃ لیاتین علی جہنم زمان لیس فیہا احد وذلک بعد ما یلبثون فیہا احقابا (وعن ابی ہریرۃ مثلہ حادی الارواح صفحہ ۳۲۴ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵ وتفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۶ فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۳۷۲ (حضرت ابن مسعود اس آیت میں فرماتے ہیں کہ جہنم پر ایک زمانہ ضرور آویگا کہ اس میں کوئی بھی نہ ہوگا اور یہ اسوقت ہوگا جبکہ دوزخی چند حقبے اس میں گذاریںگے) (۷) قال حرب اسحاق بن راھویہ عن ھذہ الآیۃ فقال سالت اسحاق قلت قول اللہ تعالیٰ خالدین فیہا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربك فقال اتت ھذہ الآیۃ علی کل وعید فی القرآن حادی الارواح صفحہ ۳۲۴ - اور دوسری جگہ کہا ہے قال المعتمر قال عبد الرزاق اخبرنا ابن التیمی ... فی قولہ الا ما شاء ربك ان ربك فعال لما یرید قال ھذہ الآیۃ تاتی علیہ حادی الارواح وتفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۳۷۲ پر بھی قریباً یہی الفاظ ہیں بروایت جابر وابی سعید خدری۔ کیا معنے الا ما شاء ربك والا سنثنا تمام قرآن مجید پر لگتا ہے جہاں جہاں دوزخیوں کی نسبت خالدین فیہا آیا ہے وہاں وہاں استثنا بھی ضرور ہے کیا معنے وہ نکالے جائیں گے۔ (۸) حدثنا عبید اللہ ... لیاتین علی جہنم یوم تصفق فیہ ابوابہا لیس فیہا احد وذلك بعد ما یلبثون فیہا احقابا (حادی الارواح صفحہ ۳۲۴ فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۳۷۱ بروایت عبد اللہ بن عمرو۔ (۹) قال عبد اللہ عمرو وسمعت ابا مجلز یقول۔ جزاءہ فان شاء اللہ عز وجل تجاوز عن عذابہ (حادی الارواح صفحہ ۳۲۵ تفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۶ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی سزا ہے اگر چاہے اپنے عذاب کو معاف کر دے کیا معنے کسی کا اسپر حکم اور اعتراض اور مداخلت نہیں۔ (۱۰) حدثنا عبد اللہ ... عن ابی ھریرۃ قال اما انا بالذی لا اقول انہ سیاتی علی جہنم یوم لا یبقی فیہا احد وقرء فاما الذین شقوا ففی النار الآیۃ (حادی الارواح صفحہ ۳۲۵ میں وہ نہیں۔ کہ اسبات کا قائل نہ ہوں کہ جہنم پر ضرور ایسا زمانہ آئیگا کہ اس وقت اس میں کوئی بھی نہ ہوگا۔ (۱۱) حدثنا ابن حمید ... عن الشعبی قال جہنم اسرع الدارین عمرانا واسرعہما خرابا (حادی الارواح صفحہ ۳۲۵ تفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۳۷۲ تفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۶ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵۰ جہنم بہت جلد آباد اور بہت ہی جلد ویران بھی ہو جائے گا (۱۲) اخرج ابن المنذر وابو الشیخ عن ابراھیم قال ما فی القرآن آیۃ ارجی لاھل النار من ھذہ الآیۃ الا ما شاء ربك درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵۰ وفتح البیان جلد ۳ صفحہ ۳۷۲ (اس آیت سے بڑھکر امید دلانے والی اہل النار کو اور کوئی بھی آیت قرآن مجید میں نہیں۔